پھولوں کی ڈالی

جسے

حسب تحریک رائے صاحب پنڈت شری نرائن چترویدی افسر محکمہ توسیع تعلیم یو-پی

جناب خان بہادر خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب بی، اے

انسپکٹر آف اسکولس یو-پی

نے مرتب کیا

اور

حسب فرمائش افسر محکمہ توسیع تعلیم یو-پی

مینیجر صدیق بک ڈپو - لکھنؤ

نے

یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ میں چھپوایا

سنہ ۱۹۴۱ء

بار اوّل ....۴۰۰۰ جلد   بہ اہتمام سید توسل حسین

گزارش

محکمہ توسیع تعلیم یو۔ پی نے گزشتہ دو سال میں تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ لوگوں کو خواندہ بنایا اور ان نوخواندہ لوگوں میں خواندگی قائم رکھنے کیلئے کچھ خاص طرح کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں لیکن چونکہ دیہات کے لوگ عام طور پر نظموں اور ترانوں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اس لئے حکومت ممالک متحدہ کے ایجوکیشن سکریٹری جناب این۔ سی مہتا صاحب آئی۔ سی۔ ایس نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا کہ مقبول عام نظموں اور ترانوں کا ایک عمدہ مجموعہ خاص طور پر نوخواندہ لوگوں کے لئے تیار کیا جائے، حسب ایما آنجناب میں نے اپنے محترم دوست جناب خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری مجذوب سابق انسپکٹر مدارس سے یہ استدعا کی کہ وہ یہ کام اپنے ہاتھ میں لیں۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ مجذوب صاحب نے میری استدعا قبول کی اور یہ قابل قدر مجموعہ تیار کردیا جو آپ کے سامنے ہے۔ اس کام میں حامداللہ صاحب افسر میرٹھی اور عبدالرحمن صاحب قریشی سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس نے بھی مجذوب صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ مجموعہ جیسا کچھ ہے آپکے سامنے ہے امید کہ اردو شاعری سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسکی قدر کریں گے اور وہ لوگ کہ جن کیلئے یہ مجموعہ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے اس سے نفع اٹھائیں گے۔

میں اپنے محترم دوست مجذوب صاحب اور انکے معاونین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ محکمہ توسیع تعلیم نے اسی طرح ہندی نظموں اور ترانوں کا مجموعہ بھی تیار کیا ہے جو شائع کیا جارہا ہے۔

شری نرائن چترویدی

فہرست موضوعات

فہرست عنوانات

پیش لفظ

میرے معزز دوست سری نرائن چترویدی ناظم محکمۂ توسیع تعلیم یو۔پی، نے میرے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میں اُردو نظم کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کردوں جو طالبعلموں اور عام ادبی ذوق رکھنے والے دونوں کے لئے یکساں مفید ہو، اور تعلیم بالغان کے سلسلہ میں بھی کام آسکے اور دیہات میں بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاسکے۔ کام مشکل تھا۔۔ کم سے کم مجھے مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اسی لئے میں کچھ جھجک رہا تھا لیکن امتثال امر کے خیال سے میں نے کام شروع کردیا اور خدا کا شکر ہے کہ آج وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

انتخاب کا معیار میں نے کیا رکھا ہے؟ اس سوال کا جواب مشکل ہے، میں خود نہیں کہہ سکتا کہ میں نے انتخاب کا کیا معیار قائم کیا ہے۔ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ؎

جس قدر تنکے مرے دل میں چُبھے
چُن لئے اپنے نشیمن کے لئے

لیکن ایسے تنکے تو اور بھی لاتعداد تھے اور میرے دل میں چُبھنے کی گنجائش بھی بہت تھی لیکن اس کتاب میں اس سے زیادہ گنجائش نہ تھی۔

اس لئے بعض حضرات کو اگر یہ انتخاب پسند نہ آئے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ناظم صاحب مذکور پر عائد ہوتی ہے کہ انھوں نے یہ کام مجھ نااہل کے سپرد کیا تھا اور اگر بعض مقبول اور مشہور شعراء کی نظمیں اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ گئیں تو اس کی ذمہ داری بھی صاحب مذکور ہی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے اس کتاب کو اتنا محدود اور تنگ دامن کیوں رکھا۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میرے متعدد احباب نے اس کتاب کی ترتیب میں مدد دی ہے، جی چاہتا ہے کہ نام بہ نام اُن کا شکریہ ادا کروں مگر کچھ تو کتاب کی تنگ دامانی اسکی اجازت نہیں دیتی کیونکہ ایسے حضرات کی فہرست طویل ہے اور کچھ یہ بات بھی ہے کہ ان میں سے اکثر مجھے اسکی اجازت نہیں دیتے، حقیقت یہ ہے کہ اگر میرے احباب میری مدد نہ کرتے تو مجھ سے اس کام کا بخیر و خوبی انجام کو پہونچنا مشکل تھا۔

مؤلف

لکھنؤ، ۶۔ جنوری سنہ ۴۰ء ۱۹

حمدِ باری تعالیٰ

حمدِ باری تعالیٰ عزّاسمہٗ

اے دین اور دنیا کے مالک — راجا اور پرجا کے مالک
بے پرا اور پروار کے مالک — اے سارے سنسار کے مالک
اے اندھوں کی آنکھ کے تارے — اے لنگڑے لولوں کے سہارے
سب سے انوکھے سب سے نرالے — آنکھ سے اوجھل دل کے اُجالے
ناؤجہاں کی کھینے والے — دُکھ میں تسلّی دینے والے
جُوت ہے تیری جل اور تھل میں — باس ہے تیری پھول اور پھل میں
تو ہے اکیلوں کا رکھوالا — تو ہے اندھیرے گھر کا اُجالا
سوچ میں دل بہلانے والا — بپتا میں کام آنے والا

خاک سے تو نے بیج اُگائے — پھر پودے پروان چڑھائے
ہیرا بخشا کان کو تو نے — مشک دیا حیوان کو تو نے
جگنو کو بجلی کی چمک دی — ذرّے کو کندن کی دمک دی

بے آسوں کی آس ہے تو ہی — جاگتے سوتے پاس ہے تو ہی

بس ڈالے ہیں یا بے بس ہیں   تو نہیں جن کا وہ بے کس ہیں
دل میں ہو جن کے تیری بڑائی   گنتے ہیں وہ پربت کو رائی

تو ہی مرض دے تو ہی دوا دے   تو ہی دوا دارو میں شفا دے
تو ہی پلائے زہر کے پیالے   تو ہی پھر امرت زہر میں ڈالے
جس نے لگی میں تجھ کو پکارا   سامنے تیرے ہاتھ پسارا
پھرا نہ خالی اس چوکھٹ سے   گیا نہ پیاسا اس پنگھٹ سے

اُجڑے کھیڑے تو نے بسائے   ڈوبے بیڑے تو نے ترائے
مظلوموں کی داد کو پہنچا   قیدیوں کی فریاد کو پہنچا
ہلتے ہیں پتے تیرے ہلائے   کھلتے ہیں غنچے تیرے کھلائے

ایک کو تو نے شاد کیا ہے   ایک کے دل کو داغ دیا ہے
اس سے نہ تیرا پیار کچھ ایسا   اس سے نہ تو بیزار کچھ ایسا
پھول کہیں کملائے ہوئے ہیں   اور کہیں پھل آئے ہوئے ہیں
مینھ کہیں دولت کا ہے برستا   ہے کوئی پانی تک کو ترستا
حکم سے تیرے پر نہیں چارا   کڑوی میٹھی سب ہے گوارا
زور ہے کیا پتے کا ہوا پر   چاہے جدھر لے جائے اُڑا کر

(حالی)

رموزِ توحید

(۱)

ہر پھول کے رنگ و بو میں تو ہے کونپل میں نمو، نمو میں تو ہے
یہ رنگِ خمار کہہ رہا ہے تو ہے میرے سبو میں تو ہے
جلوہ ترا چار سو عیاں ہے چھایا ہوا چار سو میں تو ہے
دل میں مرے آرزو ہے تیری تو ہے مری آرزو میں تو ہے

(۲)

جب شرق میں صبح مسکرائی تو نے اپنی جھلک دکھائی
ذرّہ ذرّہ پہ ہے یہ تحریر زیبا ہے تجھے تیری خدائی
پھولوں کو کیا ہے تو نے خوش رنگ دُلھن بن کر بہار آئی
ظاہر ہو ہزار رنگ سے خود دنیا اس واسطے بسائی
ہر چیز میں تو ہے جلوہ فرما اللہ رے تیری خود نمائی

سب ہو گئے محو سُننے والے
افسر نے جو تیری حمد گائی

(حامد اللہ افسر)

نُورِ وحدت

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا نیلم میں کہیں گوہرِ غلطاں میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا جب حسنِ ازل پردۂ امکاں میں آیا
بے رنگ بہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتّی میں بسا ہے موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہے
تنہا وہ ہماری ہی نہ شہ رگ سے ملا ہے نزدیک ہے وہ سب سے جہاں اس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمریِ دل سوختہ کیا بلبلِ نالاں کیا باغ چمن پختہ کیا زیرِ خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

مٹی سے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے یا روح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے مسجود ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

آ کر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ اور حال کہیں کرتا ہے لا منھ کے اوپر جھاگ
جو اس کے شناسا ہیں وہ یہ کہتے ہیں بے لاگ مطرب وہی آواز وہی ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

(نظیر اکبرآبادی)

رموزِ توحید

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

جو نکلا نالہ بن کر غنچۂ منقارِ بلبل سے
وہی نکہت چمن سے اُڑ کے جا چمکی ستارے میں

مرے پہلو میں دل ہے یا کوئی آئینہ جادو کا
تری قدرت نظر آئی مجھے اپنے نظارے میں

مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

نہاں تھا تو، تو روشن تھا چراغ زندگی میرا
مگر موجِ نفس پوشیدہ تھی تیرے نظارے میں

سکوں نا آشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یا رب چھپ کے آ بیٹھی ہے پارے میں

صدائے لَن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے میں

(اقبال)

خالقِ کُل

جتنے بھی علوم ہیں طبیعی
تائید وہ کرتے ہیں اسی کی

ہستی کا یہ انتظامِ کامل
ہے مخبرِ ذاتِ پاکِ فاعل

دیکھو ہر شے بہ ہوشیاری
ثابت ہوگا وجودِ باری

دل کو ہر صنعِ ربِّ داور
مائل کرتی ہے بندگی پر

پیدا ہوتی ہے دل میں رِقت
انساں رہتا ہے محوِ طاعت

اوپر دیکھے تو یہ تحیُّر
گردوں ہی عجائبات سے پُر

جب سطحِ زمین کو کرے طَے
شورِ حشراتِ ارض یہ ہے

ہم سب مخلوق ہیں اسی کی
ہے خالقِ کل جنابِ باری

قائم محور پہ ہے گردوں
سیاروں کی گردشیں بھی موزوں

ہر ایک کی اک مقررہ حد
دنبالۂ ذو ذنابہ ممتد

گردش کرکے نجوم یکسر
آجاتے ہیں اپنے مستقر پر

جس وقت چمکتے ہیں ثوابت
کرتے ہیں جلالِ حق کو ثابت

کچھ کم نہیں گو نجومِ سیّار
لیکن موزوں ہے ایسی رفتار

ہرگز ہنگامِ سیرِ انجم
باہم ہوتا نہیں تصادم

انساں اپنی معرفت کے شائق | تیرا خالق ہے سب کا خالق
اتنی قدرت کسی میں تھی کب | قانوں ایسے کرے مرتب
عالم کا یہ کل نظام پورا | قدرت کا اُسی کی ہے ظہورا
خاکی کرۂ زمیں پہ کر غور | ظاہر ہو جائے گا بہر طور
گیتی کے شکم میں ہی بھرا کیا | پیدا ہوتا ہے اس سے کیا کیا
جو کچھ اس خاک سے بنا ہے | سب کا خالق وہی خدا ہے

پا کر حکم حکیم داور | اُگتی ہے زمیں سے گھاس یکسر
سب کچھ اسی کی ہی کرامات | پیدا ہوتے ہیں جو نباتات
اوقات معینہ پر ان کی | کرتا ہے کون آب پاشی
چرتے پھرتے ہیں کل مواشی | گھوڑے بیل اور بھیڑ بکری
کس کو اس کے سوا ہے یارا | پہنچائے جو ان سبھوں کو چارا

بوتا ہے زمین میں تو غلہ | اس کو کرتا ہے کون پیدا
کس نے تجھ کو دئیے؟ خدا نے | اک دانے کے سو ہزار دانے

ناچیز سہی مگر یہ کیڑا | از خود پیدا ہوا نہ ہوگا

چھوٹی سی یہ جاندار مکھی ! کیا تیرے بنائے بن سکے گی

اک اک حیوان کو اتیہا الناس خود اپنے وجود کا ہے احساس
لیکن یہ عجائبات قدرت کرتے نہیں ان کو محو حیرت
گو خوش ہیں سب اپنی زندگی سے اتنا وہ مگر نہیں سمجھتے
یہ زیست ہے ختم ہونے والی بے فکریوں سے ہیں لا اُبالی
مخلوق خدا میں باری باری رہتا ہے سب کا کام جاری
صدہا پشتوں کے بعد بھی ختم اک جنس ان کی نہ ہوگی بالحتم
حیرت کو یہ دل کے روبرو کر راز قدرت کی جستجو کر
قدرت کی جانچ کر خوش انجام اس سے بہتر نہیں کوئی کام

کر غور تو آئے گا نظر صاف ہر چیز میں اس کا رحم و انصاف
اس کی دانائی اور قدرت چہرہ پرواز کلِ فطرت
اپنی اپنی جگہ ہیں سب خوش مصروف تنعّم و تعیّش
لذت سے حیات کی فرخاک رنجش سے حسد سے رشک سے پاک

(سید علی نقی صفی لکھنوی)

میں جس کو ڈھونڈتا ہوں

قصرِ فلک نشاں میں تاجِ گہر فشاں میں
دنیائے عزّ و شاں میں عشرت کی داستاں میں
میں جس کو ڈھونڈتا ہوں وہ جلوہ گر نہیں ہے

اصواتِ دلربا میں نغماتِ باصفا میں
لحنِ طرب فضا میں مطرب تری صدا میں
میں جس کو ڈھونڈتا ہوں وہ ہی مگر نہیں ہے

اس کچّی جھونپڑی میں اس پھونس کی کٹی میں
خاموش مفلسی میں روپوش بے کسی میں
میں جس کو ڈھونڈتا ہوں وہ مُسکرا رہا ہے

مظلوم کی صدا میں بے کس کی التجا میں
مجبور کی ندا میں مایوس کی دُعا میں
میں جس کو ڈھونڈتا ہوں خود وہ ہی بولتا ہے

(حامد اللہ افسر)

رموزِ کبریائی

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے
ظاہر پہ اُنھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے
اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو، ترکِ گفتگو کر
باطن کے صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیبِ ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار
لیکن ہے یہاں نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار
آہستہ گزر میانِ کہسار
ہر سنگ دُکانِ شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہدِ گل
اور زلف کُشا عروسِ سنبل
جب دل نے مرے کیا تأمل
تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر
مت ہو دمِ یاس سے مکدّر
آئینہ وہم ہے سراسر
مانندِ نگہ نکل تو باہر
تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب ہر نقص میں ہو کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

اے دردؔ رموز کبریائی کد سمجھے ہے زاہد ریائی
بے عجز نہیں ہو وہاں رسائی ہے مجھ کو جہاں یہ پر کشائی
پرواز شکستہ بال و پر ہے

(خواجہ میر دردؔ)

یادِ الٰہی

اُسے جس نام سے چاہو کرو یاد کہ نام اُس کا ہے سب ناموں کی بنیاد
وہ اچھا اور اُس کا نام اچھا خود اچھا بات اچھی کام اچھا
اُسی کے نام سے باقی ہیں سب نام اُسی کی یاد سے چلتے ہیں سب کام
اُسی کی ذات ہے ہر ذات کی جان اُسی کی بات ہے ہر بات کی کان
اُسی کا نام ہے کوئی زباں ہو
اُسی کا ذکر ہے کوئی بیاں ہو

(اسمٰعیل میرٹھی)

سمرنی

سب خلقت کے پالن ہارے جگ سنسار کے سرجن ہار[1]
جَل[2] تھَل کی سُدھ[3] راکھن ہارے دیاوان[4] بدھنا کرتار[5]

ادھک اگم بہت ہے ندیا تا بیچ نیا پڑی منجدھار[6]
تیرا بھروسا ہیں راکھت ہوں بیڑا مور لگیو پار

پہلے بولوں ناؤں اللہ کا بولن جس نے دیا سکھائے
سمجھ بوجھ سب وا نے دینی بھلا بُرا سب دیا بتائے

لوح قلم اور عرش اور کرسی چاند سُورج آسمان زمین
پورب پچھم اتر دکھن سو وا ہی نے پرگھٹ[7] کین

مالک ہے وہ دونو جگ کا قدرت والا وہی خدائے
وہی مارے وہی جیاوے اس کو میچ[8] کبھو نا آئے

جس کو چاہے شاہ بناوے جس کو چاہے کرے غلام
جس کو چاہے بھیک منگاوے اس کے بس میں ہیں سب کام

---

(۱) پیدا کرنے والا (۲) تری خشکی (۳) خبر (۴) مہربان (۵) خدا (۶) بیچ دھار
(۷) ظاہر (۸) موت۔

تنک سی چنیٹی کو چاہے تو کر دے ہاتھی کے اُونہار[1]
اور چاہے تو بڑے ہاتھی کو کر دے چنیٹی سے لاچار

اس کے حکم سے اک مچھر نے لے ڈاری نمرود کی جان
چھوٹی چڑین[2] اس کے کہے سے ہاتھی مار کرے کھریان

چاہے سر پر ہوئے کمریا چاہے سیس براجے تاج
مالک سب کا وہ ہی رب ہے اسکے در کے سب محتاج

کاف نون[3] سے خلق بنائی کیا آدم اور کیا جنات
جنگل، پیڑھ، سمندر، پربت[4] بستا اوجڑا اور دن رات

جان اجان کا پالن ہارا جانن ہارا من کی بات
اس کی بھانت[5] کا کوئی ناہیں سب سے نیاری[6] اسکی ذات

پوجن لائق ایک وہی ہے اُس بن دوجا کوئی نائے
دوجگ میں اُس کی خدائی اُس کا کوئی ساجھی نائے

راج دے وہ جس کو چاہے جس سے چاہے لئے نکار
پاٹ[7] چڑھا دے جس کو چاہے جس کو دئے اُتار

اتھاہ[8] اپار ہے قدرت واکی جو چاہے سو سکے کرائے
لعل بنادے وہ پتھر میں پھول ڈار میں دے کھلائے

(۱) مانند (۲) یہ اشارہ ہے اصحاب فیل کی طرف (۳) کاف نون سے مراد کُن سے ہے جسکے معنی ہیں "ہو جا"۔
(۴) پہاڑ (۵) مانند (۶) یعنی جدا (۷) تخت (۸) بے حد بے انتہا

ڈاری دن پہ رین(۱) کی اوجھر(۲) رین کو دن سے دے مٹائے
چاند اور سورج اسکے بس(۳) میں نسدن(۴) لادیں حکم بجائے
ہاتھی گھوڑے مال خزانے دیئے اسکے سب کوئی پائے
چاہے جسے دے انگارن(۵) جو لیکھے(۶) میں نہیں سمائے
پتوا جھڑ جائیں جب تر وَر(۷) کے اور کھڑا انگارہ جائے
بانا(۸) نیا اُسے پہرا دے نئے نئے پتون دے سجائے
ڈاری ایک بوند سپی میں کر موتی جھلکا دے تائے(۹)
ایک بوند کو ڈار پیٹ میں مورت(۱۰) سندر(۱۱) دے بنائے
یست امیست کو بانٹے روزی جانو اس کا ناؤن کریم
مہر کرت ہے سب خلقت پر جانو وہی رحمٰن رحیم
گُن(۱۲) اُس کے گنتی سے باہر گنت کٹ جات گیان(۱۳)

(حکیم منیر الدین احمد حکیم)

---

(۱) رات (۲) پردہ (۳) قبضہ (۴) رات دن (۵) بکثرت (۶) حساب (۷) نام درخت (۸) لباس (۹) تسکو (۱۰) صورت (۱۱) خوبصورت (۱۲) صفت (۱۳) عقل -

---

فرشتے سے خطاب

اے فرشتے اے مقدس روح تجھ پر ہو سلام
آج ہمّت کر کے ہوتا ہوں میں تجھ سے ہمکلام

میرے دل میں جاگزیں ہیں تیری سب اعلیٰ صفات
پوچھتا ہوں میں بصد تعظیم تجھ سے ایک بات

تیری دُنیا ہے جہاں ہوتا نہیں ہے غم وہاں
غم سے تو نا آشنا ہے تو سکونِ دل کہاں

غم میں کتنا کیف ہے یہ بھی تجھے معلوم ہے
کیفیّت سے یہ تری روحانیت محروم ہے

لُطف راحت کا نہیں ملتا ہے جب تک غم نہ ہو
وہ خوشی کی قدر کیا جانیں جہاں ماتم نہ ہو

ہوتی ہے رنج و مصیبت سے جلا ہر روح کو
غم سے رفعت ہوتی ہے اکثر بشر روح کو

کچھ خبر ہے دل کی دھڑکن میں ہے لذّت کس قدر
آنسوؤں میں کیف بھرتی ہے محبّت کس قدر

خواب میں بھی جب نظر آئے نہ تاریکی تجھے
نور والے! نور ہی کی قدر کیا ہوگی تجھے
رنج و غم لازم نہیں ہے کچھ گناہوں کے لئے
اور بھی اکثر سبب ہوتے ہیں آہوں کے لئے
حد سے جب گزرے اُولوالعزمی تو ہوتا ہے ملال
غم گناہوں کا نتیجہ ہی نہیں اے خوش خصال

میں نے یہ مانا خدا سے ہے بہت ہی تو قریب
جانتا ہوں تجھ کو ہر لحظہ حضوری ہے نصیب
لیکن اے نورِ مجسّم یہ بھی ہے تجھ کو خبر
ہم سے ہے نزدیک تیرا حُسن والا کس قدر

آ کے دیکھے گر تو رگ رگ میں اُسے پائے گا تو
اتنی قربت دیکھ کر حیران رہ جائے گا تو

خاک کے پتلوں میں جلوہ اپنا دکھلاتا ہے وہ
دیکھ تو آ کر ہر انساں میں نظر آتا ہے وہ

ہائے افسرؔ ہے ہمارا دُکھ مبارک کس قدر
دل میں سکھ بن کر وہ آتا ہے کبھی دُکھ ہو اگر

(حامد اللہ افسرؔ)

نشاطِ خیال

مانا وہ چھپنے والا ہر دل میں چھپ جائے گا
لیکن ڈھونڈنے والا بھی ڈھونڈے گا اور پائے گا

کیا ہونا ہے محبت میں، یہ مجھ کو معلوم نہیں
جس نے آگ لگائی ہے وہ خود آگ بجھائے گا

میں تو نام کا مالی ہوں پھولوں کا رکھوالا ہوں
جس نے بیل اُگائی ہے خود پروان چڑھائے گا

جس نے خزاں کو بھیجا ہے اُسکے پاس بہار بھی ہے
جس نے باغ اُجاڑا ہے وہ خود پھول کھلائے گا

زانو کا تکیہ ہوگا مٹی کا بستر ہوگا
گھر گھر جس کا چرچا ہے میرے گھر بھی آئے گا

افسرؔ میرے کانوں میں کوئی یہ کیا کہتا ہے
وہ سرکار ہماری ہے بے مانگے بھی پائے گا

(حامد اللہ افسر)
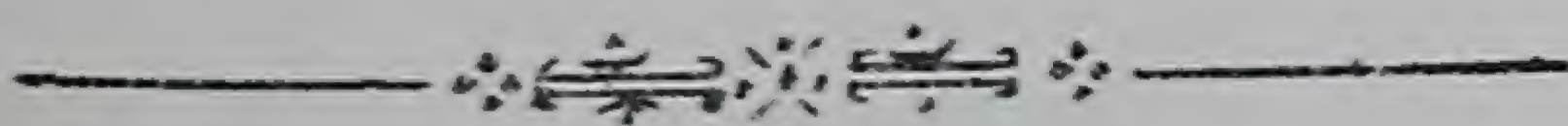
سائل

تم مجھے کیا دے رہے ہو یہ ستارے کیا کروں؟
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
ہیں مرے کس کام کے یہ آفتاب و ماہتاب؟
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
کیا کروں میں لے کے یہ دریا تمھارے کیا کروں؟
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
کیا کریں گے میری تسکیں اونچے اونچے یہ پہاڑ؟
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
سچ یہ ہے مجھ کو نہیں ہے مال و دولت کی تلاش
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
تم مجھے مل جاؤ بس اتنی ہے میری آرزو
اور کچھ حاصل نہ ہو، گر اور کچھ حاصل نہیں

(حامد اللہ افسر)

معارف

سینا نظر آتا ہے کعبہ نظر آتا ہے
نقشِ کفِ پا تیرا کیا کیا نظر آتا ہے

ہر جزو میں نظارہ کل کا نظر آتا ہے
قطرہ بھی حقیقت میں دریا نظر آتا ہے

ہر کام محبت کا اُلٹا نظر آتا ہے
مرنا کسی عاشق کا جینا نظر آتا ہے

عالم نہ تو عالم کا نقشہ نظر آتا ہے
جب تُو نظر آتا ہے تنہا نظر آتا ہے

دریا نظر آتا ہے صحرا نظر آتا ہے
اک قطرۂ خونِ دل کیا کیا نظر آتا ہے

جلوہ ہی ترا پردہ، پردہ ہی ترا جلوہ
کیا خوب یہ نظارہ تیرا نظر آتا ہے

آئینہ میں جلوہ ہے یا جلوے میں آئینہ
اے حُسن بتا تو ہی یہ کیا نظر آتا ہے

اے قیسِ حزیں تو نے دیکھا ہی نہیں ورنہ
ہر ذرہ میں لیلےٰ کا جلوا نظر آتا ہے

یہ راز ہی رہنے دے عرشیؔ کی محبت میں
کیا کیا نظر آتا ہے کیا کیا نظر آتا ہے

(عرشی لکھنوی)

مناجات

عرضِ حال

اے خدا اے میرے ستار العیوب
میرے مولا میرے غفار الذنوب

تجھ پہ روشن ہے مرا حال زبوں
پارسا میں لاکھ ظاہر میں بنوں

سچ ہے مجھ سا کوئی ناکارہ نہیں
جز بہ اقرار خطا چارہ نہیں

مجھ سا کوئی نفس کا بندہ نہیں
مجھ سا کوئی قلب کا گندہ نہیں

سخت بد کردار و بد اطوار ہوں
سخت نالائق ہوں نا ہنجار ہوں

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
بد عمل بد نفس بد خو بد خصال

سر بسر عصیاں سراپا عیب ہوں
مستحقِ نار میں لاریب ہوں

سیکڑوں کو تو کرے گا جنتی
ایک یہ نا اہل بھی ان میں سہی

اس گنہ بیچارہ نہ مجھ سے لے حساب
داخل جنت مجھے کر بے حساب

ہوں ترا بندہ مگر بس نام کا
بندہ ہوں میں نفسِ نافرجام کا

سخت طغیانی پہ ہے بحر ذنوب
بے خبر کشتی مری جائے نہ ڈوب

بے ترے دل کیا ہے بس اک خمل ہی
جلد آ، یہ ناؤ ڈانواں ڈول ہے

غلبہ دیدے نفس اور شیطان پر
آ بنی ہے اب تو بس ایمان پر

اب تو ہو جائے کرم مجھ پر شتاب
اس سے بھی اب حال کیا ہوگا خراب

تھک چکا اصلاح سے میں ناتواں ‏ کاہ سے کیا ہٹ سکے کوہ گراں
میری ہر کوشش ہوئی ناکامیاب ‏ دے چکی ہے اب مری ہمت جواب
حال ابتر ہے دل برباد کا ‏ ہاں مدد کر وقت ہے امداد کا
یاس نے بس اب تو ہمت توڑ دی ‏ اب تو لے کشتی تجھی پر چھوڑ دی
لاکھ ٹوٹی ناؤ ہے منجدھار ہے ‏ ناخدا تو ہے تو بیڑا پار ہے
زیر ہوتا ہی نہیں نفس شریر ‏ دستگیری کر مری اے دستگیر
نفس سرکش کو مرے پامال کر ‏ دل کے سب روگوں کا استیصال کر
ایک ہو تو ہو سکے اچھا مرض ‏ ہو رہا ہوں میں تو سرتاپا مرض
میرے بس کی اب یہ بیماری نہیں ‏ کوئی صورت اب بجز زاری نہیں
ہر قدم پر نفس بد ہے راہزن ‏ نور میں بھی تو یہ ہے ظلمت فگن
شر ملا دیتا ہے یہ ہر خیر میں ‏ کاٹ کرتا ہے یہ چلتے پیر میں
توبہ پھر کرتا ہوں میں توبہ شکن ‏ منھ نہیں توبہ کا گو اے ذوالمنن
اب تو یارب استقامت کر نصیب ‏ معصیت کے اب نہ میں پھٹکوں قریب
زندگی ہو ذکر و طاعت میں بسر ‏ اب ترا دامن نہ چھوٹے عمر بھر
عبد ہوں میں بخش عبدیت مجھے ‏ وجہ صد عزت ہے یہ ذلت مجھے
دیدۂ و دل دست و پا گوش و زباں ‏ سب ترے تابع رہیں اے مستعاں
آرزوئیں جتنی ہیں مٹ جائیں سب ‏ راست دن بس میں ہوں اور تیری طلب

کر عطا دل کو مرے ذوقِ فنا — عبدِ کامل اپنا تو مجھ کو بنا

غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر — تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر

دل کو کر دے پاک سب اغیار سے — سینہ بھر دے تو مرا انوار سے

کر دلِ تیرہ میں اب اپنا ظہور — سر سے لے کر تا قدم ہو جاؤں نور

عمر گذری خوار پھرتے در بدر — اے خدا اب تو لگا دے راہ پر

تو جو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید — فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

پاک ہے تو پاک کر دے دل مرا — نور سے عرفاں کے بھر دے دل مرا

قلب سے دھو دے مرے ہر گندگی — ہو عطا پاکیزہ اب تو زندگی

نفس کا یا رب مرے کر تزکیہ — کر عطا مجھ کو حیوٰۃِ طیبہ

میٹ دل سے حُبِ دنیائے دنی — جڑ ہے بس سارے گناہوں کی یہی

چند روزہ باغِ دنیا کی بہار — دے نہ دھوکہ مجھ کو اے پروردگار

میں رہوں جویانِ عیشِ جاوداں — ہو نظر میری ہی سوئے باغِ جناں

دین پر ترجیح دنیا کو نہ دوں — حرص و شہوت سے نہ میں مغلوب ہوں

روک لایعنی سے اب میری زباں — ذکر میں تیرے رہوں رُطب اللساں

چھوڑ دوں میں اب سخن آرائیاں — اب کروں دل کی چمن آرائیاں

دے مجھے بارِ امانت کی سہار — کر مجھے تو راز دانِ راز دار

اب تو یا رب آخرت کی فکر ہو — دل میں تیری یاد لب پر ذکر ہو

کر الٰہی مجھ کو خوش اوقات اب — بخش پابندیٔ معمولات اب

قلب سے عُجب و ریا کو دور کر — ہو نہ خود پر اور نہ غیروں پر نظر

کچھ نہ سوجھے تیری ہستی کے سوا — تیرے اوج اور اپنی پستی کے سوا

تجھ سے دم بھر بھی مجھے غفلت نہ ہو — تیرے ذکر و شکر سے فرصت نہ ہو

اب نہ ناجنسوں سے میں یاری کروں — تیرے پاس آنے کی تیاری کروں

ملنا جلنا خلق سے ہو کم مرا — تو ہی مونس تو ہی ہو ہمدم مرا

مطمئن ہو قلب تیرے ذکر سے — دور ہوں سب فکر تیرے فکر سے

تجھ سے ہو ایسی قوی نسبت مجھے — مانع خلوت نہ ہو جلوت مجھے

عمر گذرے اب مری طاعات میں — رکھ مجھے مشغول مرضیات میں

رہ گئے ہیں زندگی کے دن بھی کم — اب تو ہو جائے مرے اوپر کرم

عمر کا اکثر ہوا حصہ تو طے — ہائے غفلت میں رہوں گا تا بکے

عمر سی انمول شے کی رائگاں — اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا زیاں

ہے مگر تو بھی وہ وہّاب و کریم — کر دے اس نقصاں کو بھی نفع عظیم

اب بھی ہو جائے جو مجھ پر فضل شہ — ہو کے تائب ہوں کمَن لَاذَنْبَ لَہٗ

کیوں ہراساں ہوں بڑا قادر ہے تو — زانکہ خود فرمودہ لَا تَقْنَطُوْا

غرق بحر معصیت ہوں سر بسر — رحم کر مجھ پر الٰہی رحم کر

عمر جتنی رہ گئی ہے میری اب — ذکر و طاعت میں بسر ہو روز و شب

اب بسر ہو زندگی طاعات کی — ہو تلافی ما بقی مافات کی

ہمت ترک معاصی کر عطا — بخش دے سارے مرے جرم و خطا

اب تو ایسی دے مجھے توفیق تو — تیرے پاس آؤں میں ہو کر سُرخرو

دل میں تیری یاد لب پر نام ہو — عمر بھر اب تو یہی بس کام ہو

کر دئیے تو نے ولی بندے ہزار — مجھ کو بھی اپنا بنا لے کردگار

مجھ گدا کو بھی بحقّ شاہ دیں — بخش یارب دولت صدق و یقیں

ڈگ نہ جائیں پھر کہیں میرے قدم — ہو کرم ہاں ہو کرم ہاں ہو کرم

سُن مرے مولیٰ مری فریاد کو — آ مرے مالک مری امداد کو

ہوں تو میں مجذوب لیکن نام کا — کر مجھے مجذوب یارب کام کا

رات دن ہوں نشۂ غفلت میں چور — شغل ہے لہو و لعب فسق و فجور

دینداروں کی سی ہے صورت مری — کر دے یارب ویسی ہی سیرت مری

دینداری میں رہوں میں عمر بھر — دینداروں ہی میں میرا حشر کر

تجھ پہ روشن ہیں مرے سارے عیوب — جانتا ہے تو مری حالت کو خوب

گو ترے آگے ذلیل و خوار ہوں — حشر میں رُسوا نہ اے ستار ہوں

تیرے آگے خوار ہوں میں سر بسر — غیر کے آگے مجھے رُسوا نہ کر

اے خدا مجھ کو پلا وحدت کا جام — مست اور سرشار رکھ اپنا مدام

یاد میں رکھ اپنی مستغرق مجھے — ہو نہ ہوشِ ماسوا مطلق مجھے

دل مرا ہو جائے اک میدانِ ہُو — تو ہی تو ہو، تو ہی تو ہو، تو ہی تو

اور مرے تن میں بجائے آب و گل — دردِ دل ہو، دردِ دل ہو دردِ دل

آخری عرضِ گدا ہے شاہ سے — تا دمِ آخر نہ بھٹکوں راہ سے

سب سے بڑھ کر ہے یہ عرضِ مختصر — خاتمہ کر دے مرا ایمان پر

مرتبوں کی تو کہاں ہے حیثیت — مغفرت ہو مغفرت ہو مغفرت

یہ مناجات اے خدا مقبول ہو
درگزر فرما اگر کچھ بھول ہو

(مؤلف)

دُعاء

رہے زمانہ میں جبتک زمین کو گردش — بنائیں زاویہ تا محور اور سطح مدار

رہے زمین پہ تا ایک سال کے اندر — برابری میں سلسلہ امتداد لیل و نہار

رہے زمین میں تا قوتِ کشش باقی — اور اس کشش سے گریں ٹوٹ ٹوٹ کر اثمار

یہ ایک چاند رہے تا زمین کا خادم — جلو میں تا زحل و مشتری کے ہوں اقمار

رہے نجوم میں جبتک زمین سیارہ — اور آفتاب رہے مثل نقطۂ پرکار

خدا ہر ایک مسلمان کو کرے روزی — معاش نیک و دلِ پاک و خوبیِ کردار

حصول علم و رہِ مستقیم و فہمِ سلیم
جمالِ صورت و معنی۔ کمالِ عزّ و وقار

(اسمٰعیل میرٹھی)

دُعائے دیوانہ

الٰہی دل مبتلا چاہتا ہوں — فنائے خودی سے خدا چاہتا ہوں
نگاہِ محبت نما چاہتا ہوں — کہوں کیا میں تجھ سے میں کیا چاہتا ہوں

تپش دے خلش دے غمِ جانگسل دے
مرے دینے والے مجھے دردِ دل دے

نہیں چاہیئے مجھ کو آرام کا دل — نہیں چاہتا میں دو دو دام کا دل
ہے پہلو میں میرے فقط نام کا دل — نہیں درد جب دل میں کس کام کا دل

تپش دے خلش دے غمِ جانگسل دے
مرے دینے والے مجھے دردِ دل دے

دلِ غمزدہ کو کبھی شاد کر دے — شب و روز مصروفِ فریاد کر دے
مری اُجڑی بستی کو آباد کر دے — مری خاک الفت میں برباد کر دے

تپش دے خلش دے غمِ جانگسل دے
مرے دینے والے مجھے دردِ دل دے

مجھے جامِ صہبائے وحدت عطا کر — پھڑکتا رہے دل وہ لذت عطا کر
نہ دولت نہ حشمت نہ ثروت عطا کر — مجھے صرف اپنی محبت عطا کر

تپش دے خلش دے غم جانگسل دے

مرے دینے والے مجھے درد دل دے

نہیں جسم لاغر کو خلعت کی خواہش
نہیں جانِ محزوں کو راحت کی خواہش
فقیروں کو کیا ہو گی دولت کی خواہش
نہیں خاکساروں کو رفعت کی خواہش

تپش دے خلش دے غم جانگسل دے

مرے دینے والے مجھے درد دل دے

میں اڑ جاؤں رنگِ رُخِ زرد ہو کر
نہ لوں چین اک جائے دل سرد ہو کر
تجسّس میں تیری رہوں گرد ہو کر
ہمیشہ تڑپتا رہوں درد ہو کر

تپش دے خلش دے غم جانگسل دے

مرے دینے والے مجھے درد دل دے

الٰہی دل پاک احمد کا صدقہ
نبیِ مکرّم کے گنبد کا صدقہ
ترے درد والوں کی مشہد کا صدقہ
محبّت عطا کر محمّد کا صدقہ

تپش دے خلش دے غم جانگسل دے

مرے دینے والے مجھے درد دل دے

(امجد)

دُعا

آگاہ مری روح کو اسرار سے کردے
جویائے حقیقت ہوں، حقیقت کی خبر دے

جو دیکھ سکے شوکتِ باطل کی حقیقت
یارب تو مجھے اپنے کرم سے وہ نظر دے

دُھل جائے مری روح کی آلودگی جس سے
یارب وہ مجھے اشکِ شب و آہ سحر دے

ہو جس میں چمک صدق و صفا، مہر و وفا کی
یارب مری قسمت کو وہ تابندہ گہر دے

کر دے جو خسِ خرمنِ باطل کو جلا کر
یارب مرے نغموں کو وہ بیباک شرر دے

غم ہو کہ خوشی جادۂ حق سے نہ ہٹوں میں
یارب وہ بصیرت وہ عزیمت وہ جگر دے

آیا ہوں ترے میکدۂ جود و سخا میں
یارب مئے عرفاں سے مرے جام کو بھر دے

(اثر صہبائی)

نعتِ رسولِ خداؐ

سگرے رسولن کے سردار

بھیجوں ادب سے پاک نبیؐ پر اب میں لاکھوں درود سلام
نام فرشتن میں احمدؐ ہے اور محمدؐ جگ میں نام

کیسے نبی اللہ کے پیارے سب سے بڑھ کر جن پر پیار
ختم ہوئی پیغمبری اُن پر سگرے رسولن کے سردار

مکہ سرج مدینہ بسیا سرگ جو یا جگت امام
آگے چلیا پاچھے ادیا بُراق چڑھیا عرش مقام

حضرت آدم سے موسیٰ لو اور عیسیٰ لگ سبھی رسول
ان کی خبر سُناوت آئے گذرے جتنے نبی رسول

سرجن ہارنے ان کے کارن سرجائے ہیں سکل جہاں
جو نا اُن کو اپجت کرتا ہوتا نہ کچھ دھرتی آسماں

جرأت فرشتن کے جہاں پنکھ پہنچے تہاں براق اُڑائے
جبرائیل ہو پاچھے رہ گئے لے گئے تھے جو ساتھ لوائے

نانگھ گئے ست کھنڈ سرگ کو پہنچے پاس خدا کے جائے
سیر کرے جنت دوزخ کی عرش اور کرسی آئے منجھائے

کریں دربانی اُن کے در کی جبرائیل کھڑے تیار
اونچے فرشتے رہیں جلو میں باندھ پرے جو چلیں بچار
کریں اشارہ اک انگری کا چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں
ماریں پھینک اک مٹھی کنکریاں کافر سب اندھے ہو جائیں
جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ جب حضرتؐ نے کہی پکار
منھ کے بل بت اوندھے گر گئے خوار بھئے تب پوجن ہار
ساںچے دین کی راہ بتائی جھوٹے رستے دئے مٹائے
کھول دئے دروازے جنت اور دوزخ سے لیا بچائے
جنت ان کے قدمن کے نیچے دنیا ان کے پائیں کا میل
دُہیں غلام ان کی ڈیوڑھی کے سگری دنیا پاؤں سے ٹھیل
اونسا دوجا کوئی نہ ہوئے ہے اور نہ ہوا ہے جگ میں کوئے
چھائیں خدا اُن کی نارا کھی جو دوجے کا ناؤں نہ ہوئے
سکل جہاں اُنکی چھائیں میں چھائیں رہے سب جگ پر چھائے
الگ رہے چھائیں تا ہے سے ساتھ اُنکے نہ پڑے دکھائے
دھیر دھر پاؤن پو لے کے اور اُمّت کے تارن ہار
کرا ہلیں اُن کی اُمّت میں جیسے کرتا کے بلہار

آپ سراہا رب نے ان کو پھر اور ن کی کہاں شمار
گائے سکے کون اس کی سمرن جس کو سمرے سرجن ہار

ان کے یارن اصحابن پر اے رب بھیج درود سلام
دین کا بیڑہ کھیون ہارے جن سے جگ پھیلا اسلام

جائیں تج دیس دین کے کارن اور تجے اپنے گھر بار
سانچے نبی کو جن ناما نا تن سے کٹھن کرے تلوار
کرت رہے جان اور مال اپنے رب کے ناؤں سدا کربان

(حکیم مقیم الدین احمد مقیم)
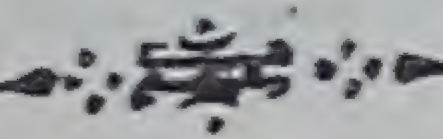
حضرت خاتم النبیین صلعم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی　　اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت وجبل نام حق سے

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کُھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دئے ایک پردہ اٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دور صہبائے بطلاں مئے حق سے محروم تھی بزم دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگا ئی تھی اک اک نے لَو ماسوا سے پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لَو اپنی اس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اُسی کی طلب میں مرو گر مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کی بڑائی

اسی طرح دل ان کا اک اک سے توڑا ہر اک قبلۂ کج سے منہ ان کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دئے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

(حالی)

شمع ہدایت

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لَولَاکَ لَمَا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کُھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

(ظفر علیخاں)
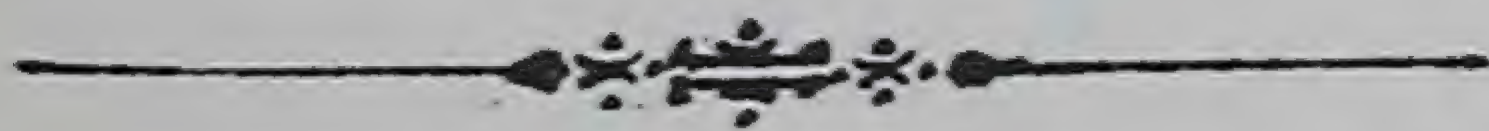
سلام

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

سلام اے ظلّ رحمانی، سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

سلام اے سرّ وحدت، اے سراج بزم ایمانی
زہے یہ عزّت افزائی، زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربّانی

سلام اے صاحبِ خُلق عظیم، انساں کو سکھلا دے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی

تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی

ترا در ہو مرا سر ہو، مرا دل ہو ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام، اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام، اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)

واکا ناؤں محمدؐ من پیارا

مورا جب سے لگا ہی نبی جی سے جی موسے پل بھر چین نہ آوت ہے
چلو یثرب نگری اے ری سکھی مورا ہند میں جی گھبراوت ہے

وہ ہی رب کا حبیب ہے صلِّ علیٰ واکی شان میں ہے لولاک لما
واکا ناؤں محمدؐ من پیارا تکی مدنی کہلاوت ہے

واکی صورت موہنی من موہے اور روپ انوپ جگت سوہے
واکی چھب نیاری پیاری لاگے اور میٹھی ادا من بھاوت ہے

جو نبی جی کو سپنے میں میں دیکھوں تو یہ چیز یں سبھیں نوائے کھوں
تورے ہجر میں جی سے نراسی ہوں مورا تن میں من گھبراوت ہے

اے رب کے پیارے سانوریا تورے دیکھن کو ترست ہے جیا
موہے چاند سا مکھڑا دکھا دے پیا کیوں ہجر کے غم سے رُلاوت ہے

تورے دوارے سکھی گا دیں منگل میں بوری پھروں جنگل جنگل
مورے نیہہ سے جی ہو کر بیکل تن من میں موہے پھراوت ہے

جنھیں چاہے پیا وہ سہاگن ہیں وہ ہی گاتی سہاگ پی آگن ہے
اور پی سے الگ بیراگن میں انھیں راگ سنگھار نہ بھاوت ہے

توری راہ کٹھن مورے پگ ہارے کس بدھ پہنچوں تورے دوارے
تورے درشن بنا احمدؐ پیارے من بیاکل ہوئے ہوئے جاوت ہے

موری نیّا منجدھار پڑی نہیں تم بن کھیون ہار کوئی،
تم لیو نبی جی خبر جلدی موری نیّا ڈوبی جاوت ہے

تمھیں شافع محشر جب سے سنا مورے جی میں حشر کا بھو نہ رہا
وہی وعدہ تمھری شفاعت کا مورے من میں دھیر بندھاوت ہے

اے رب کے دولارے جگ بھر ور یہ عرض رشید کی ہے رو کر
اب لیو بلائے اپنے در پر مورے سدھ تمھری تڑپاوت ہے

(محمد عبدالرشید رشید)

ہفت درودِ محمود

(۱)

خلیلِ حق کی تھی جو اشارت — اور ابنِ مریم کی جو بشارت
ظہورِ احمد سے تھی عبارت — سمجھ گئے صاحبِ بصارت
کہ اب گرے گی کفر کی عمارت — گھٹے گی فارس کی اب امارت
مٹے گی روما کی اب شرارت — لٹے گی اب مصر کی امارت
خزانہ ہرقل کا ہوگا غارت — بڑھے گا تقویٰ بھی اور طہارت
ہے باغ اسلام کو نضارت — نیا ہے سلطاں نئی وزارت
صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر — اور اُس کی سب آلِ باصفا پر
اور اُسکے اصحابِ باوفا پر — اور اُس کے احبابِ اتقیا پر

(۲)

وہ اوجِ پیغمبری کا تارا — ہوا ہے مکہ میں جلوہ آرا
کرے گا جو ماہ کو دو پارا — ہے جس کا قوسین تک گزارا
وہ امتوں کے لئے سہارا — وہ جس نے اخلاق کو سنوارا
کرے جو صورت کوئی نظارا — نبابت اس پر ہوا آشکارا
ہے زلزلہ میں جہان سارا — محلِ کسریٰ و ملکِ دارا

نہیں اطاعت سے اسکی چارا یہود ہو یا کوئی نصارا
صلوٰۃ اُس پر سلام اس پر اور اُسکی سب آلِ باصفا پر
اور اُس کے اصحابِ باوفا پر اور اُسکے احبابِ اتقیا پر

(۳)

وہ جلوۂ نورِ کبریائی وہ صاحب دعوت خدائی
وہ عین تقوے و پارسائی بنائے بت خانہ اس نے ڈھائی
وہ قرب حق میں جسے رسائی بمجتبائی و مصطفائی
ہے دھوم توحید کی مچائی کہ خود بتوں نے بھی دی دُہائی
عرب کو انسانیت سکھائی دلوں سے کینہ کی کی صفائی
ہر ایک بُرائی کی جڑ مٹائی مری ہوئی قوم پھر جلائی
صلوٰۃ اس پر سلام اس پر اور اُسکی سب آلِ باصفا پر
اور اُسکے اصحابِ باوفا پر اور اُسکے احبابِ اتقیا پر

(۴)

وہ علم و حکمت سکھانے والا پیام حق کا وہ لانے والا
کلام حق کا سُنانے والا عذابِ حق سے ڈرانے والا
وہ رسم بد کا چھڑانے والا وہ جہل و بدعت مٹانے والا
وہ بُت پرستی اُٹھانے والا وہ سیدھا رستہ چلانے والا

خدا پرستی بتانے والا وہ عاصیوں کا بچانے والا
مقامِ محمود پانے والا وہ بیتِ اقصیٰ کا جانے والا
صلوٰۃ اس پر سلام اس پر اور اُسکی سب آلِ باصفا پر
اور اس کے اصحابؓ باوفا پر اور اسکے احبابِ اتقیا پر

(۵)

وہ جلوہ ہے نورِ کبریا کا وہ صدر ہے بزمِ اصطفا کا
امام ہے خیلِ انبیا کا ہے پیشوا مسلکِ ہدے کا
معینِ انصاف اور دفا کا مٹانے والا ہے وہ جفا کا
طبیب ہے شرک اور ریا کا کہ خاص بندہ ہے وہ خدا کا
وہ آئینہ صدق اور صفا کا وہ شاہ تسلیم اور رضا کا
وہ قبلہ ہر شاہ کا گدا کا وہ کعبہ ابرار و اصفیا کا
صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر اور اسکی سب آلِ باصفا پر
اور اُسکے اصحابؓ باوفا پر اور اُس کے احبابِ اتقیا پر

(۶)

نبیٔ اُمّی لقب ہے اس کا نسب ہیں خورشید ہاشمی تھا
نہ کچھ کسی سے پڑھا نہ لکّھا وہ آن پڑھوں میں ہوا تھا پیدا
نہ اس کے سر پر پدر کا سایہ نہ اس کو اُستاد نے پڑھایا

کہ اس پہ روح الامین آیا | کلامِ ربی اسے سکھایا
وہ بحرِ اعظم تھا علم حق کا | نہ تھا وہ محتاجِ علم اشیا
اسے تھا مکشوف رمزِ اولیٰ | اسے تھا معلوم سرِ اُخریٰ

صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر | اور اُسکی سب آل باصفا پر
اور اُسکے اصحابؓ باوفا پر | اور اُس کے احبابِ اتقیا پر

(۸)

وہ فخرِ آدم امانِ عالم | امینِ محکم رسولِ اکرم
محیطِ اعظم زغیبِ مُلہم | بوحیِ محرم شہِ مسلّم
عرب کے اندر وہی معظّم | عجم کے اندر وہی مکرّم
لگا کے آدم سے تا بایں دم | ظہور اس کا ہے بعد آدم
وجود اس کا مگر مقدّم | وہ نورِ حق تھا ولے مجسّم
کیا مدینہ کو سبز و خرّم | درود محمود بھیج پیہم

صلوٰۃ اُس پر سلام اُس پر | اور اُسکی سب آلِ باصفا پر
اور اُسکے اصحابِؓ باوفا پر | اور اُس کے احبابِ اتقیا پر

(اسمٰعیل میرٹھی)

دارُ الامان مدینہ

ابوایوبؓ کے گھر میں حبیبِ کبریاؐ ٹھہرے
مگر جب ہو گئی تیار مسجد اس میں آ ٹھہرے

ملی اظہارِ حق کی آج انسانوں کو آزادی
با آزادی لگا تبلیغ کرنے صلح کا ہادی

بھٹکتے پھرنے والوں کو خدا کی راہ پر لایا
بتوں میں گھرنے والوں کو درِ اللہ پر لایا

چلے آتے تھے غیر اللہ کا رشتہ توڑنے والے
صدائے آخرت پر حُبِّ دنیا چھوڑنے والے

زمانے کے ستائے درد کے مارے ہوئے آتے
نبی کے دامنِ رحمت میں آرام و سکوں پاتے

کوئی ترکی کوئی تازی کوئی حبشی کوئی رومی
سبھی یکساں تھے زیرِ سایۂ دامانِ معصومی

تھے انصار و مہاجر اک نمونہ شانِ وحدت کا
کہ اس تسبیح میں تھا رشتہ محکم اخوّت کا

تماشوں رنگ ریلیوں کی جگہ پائی عبادت نے
فسادوں اور جھگڑوں کو مٹایا ذوقِ محنت نے

مسلماں تھے کہ تھیں زہد و ورع کی زندہ تصویریں
نمازیں اور تسبیحیں، اذانیں اور تکبیریں

تجارت یا زراعت یاد آئیں یا مناجاتیں
مشقت کیلئے دن تھے عبادت کیلئے راتیں

یہ بستی کاٹتی تھی وقت نیکی سے بھلائی سے
نہایت آشتی سے امن سے صلح و صفائی سے

ہدایت کی سعادت پر ہزاروں شکر کرتے تھے
خدا پر تھی نظر سب کی خودی کا دم نہ بھرتے تھے

نبی کا حکم اور قرآن دستور العمل ان کا
صداقت بن گئی آئینہ ظاہر اور باطن کا

ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

(حفیظ جالندھری)

آجا

دل بیتاب کو سینے سے لگالے آجا　　کہ سنبھلتا نہیں کمبخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا　　خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

صورتِ سایہ ہوں اُفتادہ اُٹھالے آجا　　ایڑیاں خستہ ہیں اور زخم ہیں آلے آجا
خارِ صحرا ہیں زبانیں ہیں نکالے آجا　　بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتا　　کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا　　کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

اے مسیحا ترے بیماروں میں کیا رکھا ہے　　رختِ ہستی ترے کوچے سے اٹھا رکھا ہے
تری فرقت میں وصال اُنکا ہوا رکھا ہے　　دم تری دید کو آنکھوں نے لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان گھلے جاتے ہیں　　خاک پر گر کے دُرِ اشک رُلے جاتے ہیں
مری رسوائی پہ کمبخت تلے جاتے ہیں　　ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں

کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

ہائے واماندگی و وسعتِ دامانِ صراط — المدد المدد اے خضرِ بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہِ یاس ہے، یارانِ صراط — دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط

ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذرِ نزاکت نے کہا — مرحبا بڑھ کے ادھر شاہدِ وحدت نے کہا
آ بلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا — پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

تیرے دیوانے کو زنجیرِ طلائی بخشی — جوہرِ آئینۂ دل کو صفائی بخشی
بادشاہوں کو ترے در کی گدائی بخشی — ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

بھینی بھینی گلِ توحید کی نکہت ہے یہاں — واہ کیا رنگِ ہم آہنگیِ صحبت ہے یہاں
ابرِ رحمت ہے یہاں لُطفِ محبت ہے یہاں — رنگِ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں

اے گلِ گلشنِ لولاکَ لما، لے آجا

آبگینہ ہے مےِ دردِ نہاں کا سینہ — یا زمانہ ہے کوئی سوزِ نہاں کا سینہ
تختۂ گل ہے ترے سوختہ جاں کا سینہ — صورتِ لالہ ہے پُر داغ، بیاں کا سینہ

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

(درگا سہائے سرور جہان آبادی)

سامانِ راحتِ دل رنجور ہو گیا

سارا بدن حضور کا جب نور ہو گیا
پھر دور کیا ہے سایہ اگر دور ہو گیا

وہ نورِ حق جو قبر میں مستور ہو گیا
ہر ذرۂ زمین لحد طور ہو گیا

سوئے مدینہ جانے کا مقدور ہو گیا
سامانِ راحتِ دل رنجور ہو گیا

حضرت کا جس مقام پہ مذکور ہو گیا
ہر سو ملائکہ سے وہ معمور ہو گیا

جس دم تصورِ رخِ پُر نور ہو گیا
سینہ تمام نور سے معمور ہو گیا

مشقِ تصورِ رخِ پر نور جب بڑھی
میں سر سے لے کے تا بقدم نور ہو گیا

کیا فیض تھا کہ پڑ گئی جس پر بھی اک نظر
رشکِ جنیدؒ و شبلیؒ و منصورؒ ہو گیا

ماہِ عرب کہ مہرِ جہاں تاب تھے حضورؐ
عالم تمام نور سے معمور ہو گیا

شغلِ درود بھی ہے عجب شغلِ خوشگوار
جتنا تھا رنج و غم مرا سب دور ہو گیا

کیا حد ہے فیضِ شافعِ محشر تو دیکھئے
مجھ سا گناہگار بھی مغفور ہو گیا

کیفِ نگاہِ ساقیٔ کوثر نہ پوچھئے
آیا جو سامنے وہی مخمور ہو گیا

اک دم نظر جو گنبدِ خضرا پہ جا پڑی
سارا سفر کا رنج و تعب دور ہو گیا

اے خضرِ راہ بے خبر اے جذب کر مدد
مجذوب قافلے سے بہت دور ہو گیا

(مجذوب)

مولودِ بہاریہ

اے ہمدمِ شیریں سخن ۔ ہے نورِ حق پرتوفگن
ہر نخلِ گل کی ہے پھبن ۔ طورِ جمالِ ذوالمنن
بن ٹھن عروسانِ چمن ۔ شیریں ادا شیریں دہن
رنگیں قبا گل پیرہن ۔ ہیں کس طرب سے خندہ زن
ہر گل میں ہے تابِ ضیا ۔ ہر دل میں ہے نورِ صفا
ہر نخل ہے سر در ہوا ۔ ہر برگ ہے دستِ حنا
ہر غنچہ ہے گلگوں قبا ۔ ہر شاخ زلفِ مشک سا
ہر لالہ ہے رنگیں ادا ۔ ہر سمت نسریں نسترن
سنبل جو زلفِ حور ہے ۔ گل ساغرِ بلّور ہے
جو خوشۂ انگور ہے ۔ گویا شرارِ طور ہے
نرگس عجب مخمور ہے ۔ کیا حُسن پر مغرور ہے
تن میں قبائے نور ہے ۔ جس پر نرالی ہے پھبن
شاخِ سمن ہے گلفشاں ۔ کانِ عدن ہے گلستاں
مرغِ چمن ہے نعت خواں ۔ دشتِ ختن ہے بوستاں

لعلِ یمن ہے ارغواں — قلبِ زمن ہے شادماں
گرمِ سخن ہیں ہر زباں — ہیں نغمہ پیرا مرد و زن
گل ساغرِ رنگیں بنا — گلِ دامنِ گلچیں بنا
گل غنچۂ تالیں بنا — گل خوشۂ پروِیں بنا
گل لالہ و نسریں بنا — گل روئے حورالعیں بنا
گل گیسوئے مشکیں بنا — دیکھو تو شوخی کا چلن
سبزہ جو ہے عنبر فشاں — ہے آتشِ گل کا دھواں
گل سے بھرا ہے گلستاں — یا جوہری کی ہے دکاں
سوسن برنگِ دل ستاں — دیتا ہے نیلم کا نشاں
لالہ ہے یا لعلِ بتاں — شبنم ہے یا دُرِّ عدن
سبزہ چمن میں ہے اُگا — فرشِ زمرد ہے بچھا
ہے یاسمن گوہر نما — یا جام ہے الماس کا
یاقوت ہے برگِ حنا — ہے شاخِ گل مرجاں صفا
مثلِ عقیقِ بے بہا — رنگیں قبا ہے نارون
چلنا ادا سے ہو کے خم — چپ ہو رہا ہے یہ ستم
کھولا نہ خوں میں دل کا غم — بدلا نہ بادردو الم
پر تھی ٹپکتی دم بہ دم — اس کے لبوں سے یک قلم

نعت رسول محترم مدح شہنشاہ زمن

نرگس بھی کیا حیران ہے؟ کس حسن پر قربان ہے؟
کس جلوہ کا یہ دھیان ہے؟ کس نور کا ارمان ہے؟
خاموش اور گریان ہے بیہوش اور بے جان ہے
کیا قدرت سبحان ہے اللہ رے شانِ ذوالمنن

سرو ایک پا سے ہے کھڑا کس درجہ ہے شرم و حیا
خاموش ہے سر کو جھکا یہ طرز سمجھے کوئی کیا
جب لگ چلی باد صبا پتّوں نے یہ کھولا پتا
کہتا ہے یہ صلّ علےٰ اے مرحبا گھر زمن

سوسن ہے گرچہ وہ زباں پر کیا ادا ہو اس سے ہاں
نعتِ رسولِ انس و جاں ہے طرز سے اسکے عیاں
ہے وہ بھی اک غنچہ دہاں خاموش ہے مثل تباں
ہے دل میں رازِ غم نہاں حیراں ہے اور بنیہ دہن

لالہ جو ہے خونی جگر ہے خرمن جاں میں شرر
لب پر نہیں آتا مگر جو غم ہے دل میں مستتر
پنہاں جو ہے اک شور و شر ہے الفتِ خیر البشر
عشق رسول بحر و بر ہے اس سبب خونی کفن

گیندا ہوا ہے زرد رو تکتا ہے ہر دم چار سو
کیا جانے کیا ہے جستجو کس جلوہ کی ہے آرزو
ہے مثل سنبل موبمو آشفتہ دل آشفتہ خو
آتا نہیں لب پر کبھو راز نہاں کا کچھ سخن

ہے موتیا گوہر فشاں اور کیتکی ہے بازباں
سنبل ہے زلف مہوشاں گیندا ہے روئے عاشقاں
نرگس ہے چشم دلستاں زنبق کھلا ہے خستہ جاں
شبّو ہے زیب گلستاں لالہ ہے شمع انجمن

سوسن بنا رنگیں ادا اور نازبو رنگیں قبا
سورج مکھی روشن ہوا چنپا میں ہے کیسی حیا
ہے یاسمن میں کیا صفا نسرین میں ہے کیسی ضیا
ہے نار دن بھی دلکشا عباس ہے گل پیرہن

بلبل جو شاہد باز ہے ہر دم نوا پرداز ہے
ہر گل سراپا ناز ہے جوں دلبر طناز ہے
کیا عشوہ کیا انداز ہے کیا غمزہ کیا اعجاز ہے
کیا حسن کا آغاز ہے دیکھو نرالا بانکپن

عالم میں کیا تنویر ہے کیا نور کی تاثیر ہے

کیا جلوہ عالمگیر ہے حیرت سے گل تصویر ہے
ہر گل زمیں کشمیر ہے جو تاک و بید انجیر ہے
طوبےٰ کا دامن گیر ہے سدرہ پہ ہے پرتو فگن
ہیں بلبل و گل ہمدگر فرطِ خوشی سے نغمہ گر
اور سرو و قمری جھوم کر کرتے ہیں ہر دم شور شر
طاؤس و گلبن بے خبر ہیں وجد میں شام و سحر
فرحت کا یاں تک ہے اثر ہے آسماں بھی چرخ زن
جو لالۂ خوش رنگ ہے دیکھ اس کو سورج دنگ ہے
جو یاسمن کا ڈھنگ ہے وہ مہ سے خوش آہنگ ہے
جس جا گل اورنگ ہے واں نقشہ ارژنگ ہے
آئینۂ نیرنگ ہے یا ہے گلستانِ عدن
قمری ہے تو قوال ہے گلبن کو وجد و حال ہے
خوش خوش صبا کی چال ہے سبزہ ہوا پامال ہے
پتّوں کی جنبش تال ہے بُلبُل کا یہ احوال ہے
منقار خوں سے لال ہے نغموں سے ہے آتش فگن
نشو و نما کا ہے عمل پھولے ہیں یاں تک پھول پھل
گلشن کے غنچے فی المثل آئیں جو طوبیٰ سے نکل

جنت کی حوریں بے بدل — غنچہ وہاں سب ہیں خجل
شرمندہ ہوں اور لیں نہ بل — مہر خموشی سے دامن

لیکر زمیں سے تا فلک — پھولوں کی پھیلی ہے مہک
جس سے معطر ہیں فلک — اور رہ گئیں حوریں جھجک

ہے برق عشرت کی جھلک — یا نور گلشن کی چمک
جاتی ہے چشم دل جھپک — ہوتے ہیں جب گل خندہ زن

سرسبز کیا گلزار ہے — جنت ہے یا فرخار ہے
نسریں جو عنبر بار ہے — ہر اک چمن تا تار ہے

ہر اک روش گلنار ہے — سنبل عجب دلدار ہے
گیسو کا ہر ہر تار ہے — مہر درخشاں کی کرن

دیکھو تو اے اہل صفا — کیا جلوہ ہے حیرت نما
شوخی سے ہر برگ حنا — ہے دست رنگیں بن گیا

جس پر لبالب ہے دھرا — جام مے ناز و ادا
پی کر یہ جام جاں فزا — خوں ہو گیا ہے اسکا من

گل حور ہے یا ہے پری — ہے نازنیں جاں پروری
انداز میں جلوہ گری — اللہ رے شان دلبری
کچھ حسن سے ہے خودسری — ہے سہ سے اس کو ہمسری

کرتا ہے مہرِ خاوری ‏ قرباں اس پر جان و تن

ہے چار سو شورِ طرب ‏ کافور ہے رنج و تعب
دل میں صفائی ہے عجب ‏ آئینۂ عشرت ہیں سب
ہے نغمۂ شادی بلب ‏ ہیں دست بستہ با ادب
سر کو جھکائے اپنے سب ‏ لاتے ہیں یہ لب پر سخن

پھیلا یہ کیسا نور ہے ‏ عالم جو مثلِ طور ہے
کس جلوہ سے معمور ہے ‏ ہر دل جو اب مسرور ہے
وہ کون رشکِ حور ہے ‏ جس کا یہ ہر دم شور ہے
جو خستہ و رنجور ہے ‏ اس کے سبب ہیں خندہ زن

وہ وقت ہے اب ہمنشیں ‏ نازاں فلک پر ہے زمیں
شاداں ہیں ولہائے حزیں ‏ ہر باغ ہے خلدِ بریں
ہر پھول ہے ماہِ مبیں ‏ سنبل ہے زلفِ حورِ عیں
شبنم ہے یا دُرِّ ثمیں ‏ لالہ ہے یا لعلِ یمن

وہ وقت ہے اب دلکشا ‏ ہے نورِ حق جلوہ نما
ہر سرو تا اوجِ سما ‏ پانے لگا نشو و نما
جنت سے کیا موجِ صبا ‏ لائی شمیمِ جاں فزا
ہیں غنچۂ گل عطر سا ‏ جوں نافۂ مشکِ ختن

وہ وقت ہوا اب جلوہ گر　　وہ جلوہ آتا ہے نظر
جس کو ملائک دیکھ کر　　ہیں آسماں پر بے خبر
اور طور پر ہے یہ اثر　　جل کر بنا مُشتِ شرر
موسیٰ بھی غش میں خوب تر　　یوسف بھی ہیں شورش فگن
وہ وقت ہے بے رنج و غم　　ہیں وجد میں لوح و قلم
سجدہ لگا کرنے حرم　　ہے جوشِ عشرت دمبدم
وا ہے درِ باغِ ارم　　ہر سمت عالم ہے بہم
رکھتے ہیں اپنے سر کو خم　　حُسن و ادب سے مرد و زن
کیا شوخیٔ دلدار ہے　　کیا جلوۂ رخسار ہے
کیا غیرت دیدار ہے　　کیا لذّت گفتار ہے
کیا مستیٔ رفتار ہے　　کیا طرّۂ دستار ہے
کیا سُرخی گلنار ہے　　ہے زیبِ سر جس کے پھبن
ہے سازنہ میں دلکش نوا　　برا جا میں شادی کی صدا
اور چنگ کہتا ہے جدا　　صلّ علیٰ صلّ علےٰ
حور و ملک ارض و سما　　روز و شب و صبح و مسا
کہتے ہیں تجھ پر مرحبا　　اے مطربِ بارودت فن
ہے صاف جامِ لالہ گوں　　شفاف ہے مینا کا خوں

کوثر کو لذت ہیں فزوں　　اس بادہ سے کیونکر کہوں

اس کا نشہ ہے پُرفسوں　　یا مستیِ شورِ جنوں

کہتا ہے یہ شوقِ دروں　　لا ساقیِ سیمیں بدن

وہ مے کہ جس سے ہو عیاں　　سب حُسن کے رازِ نہاں

اور عشق کا شور و فغاں　　پیدا ہوے کام و زباں

تا دیکھ کر حُسنِ بتاں　　یاد آئے اس سرور کی شاں

جس کے سبب کون و مکاں　　پیدا ہوئے یثرب وطن

گلزار کے گلنار میں　　گلنار کے رخسار میں

رخسار کے انوار میں　　انوار کے دیدار میں

دیدار کے اسرار میں　　اسرار کے آثار میں

آثار کے اظہار میں　　ظاہر ہے شانِ ذوالمنن

ہیں تشنۂ شوقِ بقا　　ہیں مضطرِ ذوقِ ادا

ہیں طالبِ حُسنِ صفا　　ہیں زخمیِ تیغِ قضا

خضرِ یم آبِ بقا　　اور یوسفِ حُسنِ آشنا

اور موسیٰ حیرت نما　　اور عاشقانِ نعرہ زن

برقِ تجلّی ہر زماں　　ہے کوندتی بر آسماں

روشن ہو نورِ حق سے جاں　　قدسی ہیں باہم شادماں

جبریل ہیں تسبیح خواں — دیتے بشارت ہیں کہ ہاں
مل کر کرو روحانیاں — شادی کی برپا انجمن
ہے نور وحدت جلوہ گر — روشن کرو اپنی نظر
اہل زمیں کو دو خبر — ہو شادماں تا ہر بشر
پھر وجد میں شام و سحر — جن و بشر شاخ و شجر
حور و ملک شمس و قمر — ہوں اس طرح سے نغمہ زن
نورِ قدم پیدا ہوا — شاہ اُمم پیدا ہوا
عرشی خدم پیدا ہوا — والا حشم پیدا ہوا
فرخ شیم پیدا ہوا — بحر کرم پیدا ہوا
گوہر ہمم پیدا ہوا — پیدا ہوا قدسی سخن
یٰسیں لقب پیدا ہوا — مقبولِ رب پیدا ہوا
مہر عرب پیدا ہوا — ہاشم نسب پیدا ہوا
فخرِ عرب پیدا ہوا — کنز طرب پیدا ہوا
غفراں طلب پیدا ہوا — پیدا ہوا شیریں دہن
شاہ جہاں پیدا ہوا — محبوبِ جاں پیدا ہوا
زیب جناں پیدا ہوا — تاجِ شہاں پیدا ہوا
عذب البیاں پیدا ہوا — رطب اللساں پیدا ہوا
عرشی مکاں پیدا ہوا — پیدا ہوا مشکیں بدن
گردوں لوا پیدا ہوا — کشور کشا پیدا ہوا

ظلِّ خدا پیدا ہوا ۔ یوسف لقا پیدا ہوا
بدعت ربا پیدا ہوا ۔ وحدت نما پیدا ہوا
عزت فزا پیدا ہوا ۔ پیدا ہوا عزّیٰ شکن
ماہ مُبیں پیدا ہوا ۔ مہرِ زمیں پیدا ہوا
رکن متیں پیدا ہوا ۔ عیسیٔ دیں پیدا ہوا
رفرف نشیں پیدا ہوا ۔ رحمت گزیں پیدا ہوا
ایسا حسیں پیدا ہوا ۔ شیدا ہیں جس پر مرد و زن
ظلِّ احد پیدا ہوا ۔ نورِ صمد پیدا ہوا
فیض ابد پیدا ہوا ۔ غیبی مدد پیدا ہوا
کیا مستند پیدا ہوا ۔ محکم سند پیدا ہوا
اب ہر بلد پیدا ہوا ۔ آوازۂ شاہِ زمن
خیر البشر پیدا ہوا ۔ نورِ نظر پیدا ہوا
عین البصر پیدا ہوا ۔ رشکِ قمر پیدا ہوا
صاحب خبر پیدا ہوا ۔ نیکو سیر پیدا ہوا
وہ سیمبر پیدا ہوا ۔ جس کی نرالی ہے پھبن
نورِ ازل پیدا ہوا ۔ حُسنِ عمل پیدا ہوا
نسخِ ملل پیدا ہوا ۔ دفعِ خلل پیدا ہوا
عالی محل پیدا ہوا ۔ فخرِ اُوَل پیدا ہوا
ہاں بے بدل پیدا ہوا ۔ صدقے ہیں جس پر جان و تن

ختم رسل پیدا ہوا   شمع سبل پیدا ہوا
اظہارِ کل پیدا ہوا   شایانِ قل پیدا ہوا
فخرِ مُشُل پیدا ہوا   وہ رشکِ گل پیدا ہوا
جس کا یہ غُل پیدا ہوا   عالم میں تا چرخِ کہُن
ماہ نکو پیدا ہوا   خورشید رو پیدا ہوا
محمود خو پیدا ہوا   خوش گفتگو پیدا ہوا
صافی گلو پیدا ہوا   کیا مشک بو پیدا ہوا
مشکینہ مو پیدا ہوا   عالم ہوا رشکِ ختن
شاہِ زمن پیدا ہوا   یثرب وطن پیدا ہوا
نسریں بدن پیدا ہوا   گل پیرہن پیدا ہوا
شیریں دہن پیدا ہوا   سیمیں ذقن پیدا ہوا
وہ بت شکن پیدا ہوا   ہے جس میں نور ذوالمنن
وہ باعث ایجاد جاں   وہ مظہر سرِ نہاں
وہ مردم عین عیاں   وہ خسرو کون و مکاں
وہ پیشوائے مرسلاں   وہ شافع ہر این و آں
وہ حامی دل خستگاں   وہ قبلہ گاہ جان و تن
وہ مطلع نورِ قدم   وہ مشرق مہر کرم
وہ مصدر فیض اتم   وہ مظہر حسن شیم
وہ مخزن جود و ہمم   وہ مقصدِ فخرِ امم

وہ مطلبِ عزّ و حرم   وہ مامنِ ہر ما و من
وہ عاشقِ فرمانِ رب   وہ طالبِ حسنِ طلب
وہ عالمِ اُمّی لقب   وہ خسروِ والاحسب
وہ دلبرِ عالی نسب   وہ فخرِ اقوامِ عرب
وہ ناصحِ قرآں بلب   وہ رہبرِ اہلِ زمن
وہ مالکِ خلدِ بریں   وہ شمعِ بزمِ مرسلیں
وہ باغبانِ باغِ دیں   وہ مہبطِ روح الامیں
وہ رحمۃ اللعالمیں   وہ مظہرِ نورِ مبیں
وہ حامیٔ دینِ مبیں   وہ ماحیٔ اہلِ وثن
وہ زینتِ پیغمبری   وہ زیبِ شانِ دلبری
وہ تاجِ فرقِ سروری   ہے گرم جلوہ گستری
حیراں ہے مہرِ خاوری   یوسف ہے اسکا مشتری
جن و بشر حور و پری   ہیں اس کے در پر نعرہ زن
مفتوں ہے سرگرمِ ثنا   ہے اسکے در کا اک گدا
لاتا ہے یہ لب پر دعا   ہاں شافعِ روزِ جزا
مطلوبِ محبوبِ خدا   وہ بخشوا اس کی خطا
گو ہے سزاوارِ سزا   ہے خوف بے شورش فگن

(مولانا وحید الدین سلیم جو مفتوں بھی تخلص کرتے تھے)

ایثار کی اعلیٰ ترین مثال

کافروں نے یہ کیا جنگِ اُحد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دودم

ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدۂ نم

ایک خاتون کہ انصار کو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم

موقعِ جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ ستم

سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا، ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اس عفیفہ نے یہ سب سُن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم

سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضورؐ
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اس نے رُخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم

میں بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(شبلی)

دخترِ رسول صلعم کی زندگی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل خام تھا
اَٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے — کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدرؓ نے انکے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا "کہ غریبانِ بے وطن — جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں — میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی ہے اہلبیتِ مطہرؑ نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانامؐ تھا

(شبلی)

مدینہ کی گلیاں

مرا مدعا ہیں مدینہ کی گلیاں مری رہنما ہیں مدینہ کی گلیاں

وہ عالم کہ بس چلتے پھرتے ہی رہیئے عجب دلربا ہیں مدینہ کی گلیاں

سکون اور راحت ہے ہر ہر قدم پر دلوں کی دوا ہیں مدینہ کی گلیاں

سمجھتے ہیں یہ راز اہلِ معانی دل باصفا ہیں مدینہ کی گلیاں

ہدایت کے چشمے جہاں سے ہیں جاری وہ بحر عطا ہیں مدینہ کی گلیاں

نظر آتی ہے شکل اعمال سب کو کہ آئینہ ہیں مدینہ کی گلیاں

خدا اور خدا کا نبیؐ جانتا ہے کہ دراصل کیا ہیں مدینہ کی گلیاں

کرو دیدہ و دل کو روشن حمیدؔ اب
اگر دیکھنا ہیں مدینہ کی گلیاں

(حمید لکھنوی)

مَدِینہ کی باتیں

کرو ہمصفیرو مدینے کی باتیں ۔۔۔ یہی ہیں حقیقت میں جینے کی باتیں
اسی طرح کچھ تشنگی کو بڑھائیں ۔۔۔ کریں آبِ زمزم کے پینے کی باتیں
مبارک جنونِ محبت مبارک ۔۔۔ یہ دیوانگی اور قرینے کی باتیں
خدارا سنا دے کوئی پھر سنا دے ۔۔۔ وہی بابِ رحمت کے زینے کی باتیں
مدینے میں تھے جس زمانے میں حاضر ۔۔۔ یہ ہیں اُس مبارک مہینے کی باتیں
جو چاہو کہ تازہ رہے دین و ایماں ۔۔۔ تو کرتے رہو تم مدینے کی باتیں
فضائے مدینہ ہے یا بزمِ جنت ۔۔۔ نہ قصے حسد کے نہ کینے کی باتیں
کُھلے گا نہ اشعار سے راز دل کا ۔۔۔ خدا کو ہیں معلوم سینے کی باتیں
تقاضا غلامی کا یہ کہہ رہا ہے ۔۔۔ کہ دن رات ہوں بس مدینے کی باتیں
رہے پاس آداب اے دل ہمیشہ ۔۔۔ ہوں دیوانگی میں قرینے کی باتیں

حمیدؔ اپنے دل کا یہی مدعا ہے
کہ ہوتی رہیں کچھ مدینے کی باتیں

(حمیدؔ لکھنوی)

فیضانِ عشق

سوئے ارض طیبہ کھنچا جا رہا ہوں
یہ عالم ہے جیسے اُڑا جا رہا ہوں

نہ پوچھو کہ کس عالمِ بےخودی میں
میں اشعار پڑھتا ہوا جا رہا ہوں

مری آرزوؤں کا اب پوچھنا کیا
حضورِ شہِ دوسرا جا رہا ہوں

حبیب خدا کا ہے جوشِ محبت
سراپا محبت بنا جا رہا ہوں

قدم ڈگمگائے ہوئے پڑ رہے ہیں
میں اُفتاں و خیزاں چلا جا رہا ہوں

خدا نے سرِ عرش جس کو بلایا
اُسی کی کشش سے کھنچا جا رہا ہوں

دھڑکتا ہے سینہ نظر مضطرب ہے
کہاں اے دلِ مبتلا جا رہا ہوں

ہے ہر ذرّے میں پرتو نورِ حضرتؐ
عجب جلوے میں دیکھتا جا رہا ہوں

تحیّر کا عالم ہے کھویا ہوا ہوں
کھنچا جا رہا ہوں چلا جا رہا ہوں

یہ وارفتگی محبت تو دیکھو
کہ منزل سے آگے بڑھا جا رہا ہوں

نہ کچھ فکرِ منزل نہ کچھ ہوشِ جادہ
کسی خاص دھن میں چلا جا رہا ہوں

نہ لے جا پیامِ غمِ دردِ فرقت
میں خود آج بادِ صبا جا رہا ہوں

حمیدؔ اک عنایت ہے یہ مصطفےٰؐ کی
یہ ہمراہی اصطفا جا رہا ہوں

(حمید لکھنوی)

مدینہ کی ایک رات

مدینہ کی اک رات یاد آ رہی ہے — حمید آج وہ بات یاد آ رہی ہے
کھنچا ہے نگاہوں میں جنّت کا نقشہ — وہ تاروں بھری رات یاد آ رہی ہے
یہ کس بزم کا ذکر چھیڑا ہے دل نے — کہ اب بات پر بات یاد آ رہی ہے
بہلتا نہیں دل کسی انجمن میں — وہ بزم مُناجات یاد آ رہی ہے
دل مضطرب میں ہے پھر شور برپا — وہ غم کی مکافات یاد آ رہی ہے
عبادت کا اب لطف پھر مل رہا ہے — کہ وہ اَلتّحِیّات یاد آ رہی ہے
حضوری میں سب کو میں بھولا ہوا ہوں — خدا کی بس اک ذات یاد آ رہی ہے
مری اشک باری کا عالم نہ پوچھو — محبت کی اک بات یاد آ رہی ہے
نظر ڈال کر جالیوں پر جو کی تھی — وہ دل کی مناجات یاد آ رہی ہے
وہ پیشِ نظر حُسن یٰسین و طٰہٰ — وہ تفسیر آیات یاد آ رہی ہے
نظر سوئے گنبد وہ حیرت کا عالم — وہ تصویر جذبات یاد آ رہی ہے
سبب میرے رونے کا کیا پوچھتے ہو — مدینہ کی برسات یاد آ رہی ہے
وہ سادہ مزاجی وہ خُلق اللہ اللہ — عرب کی مساوات یاد آ رہی ہے
وہ اہل مدینہ کی مہماں نوازی — وہ خاطر مدارات یاد آ رہی ہے
خود اپنے کو بھی بھولتا جا رہا ہوں — خدا جانے کیا بات یاد آ رہی ہے
حمید اب مٹے کیوں نہ دل کی سیاہی — کہ وہ چاندنی رات یاد آ رہی ہے

(حمید لکھنوی)

ولادتِ محبوبِ خداؐ

اللہ اللہ کیا یہ سماں ہے دنیا اس دم رشکِ جناں ہے
بادِ بہاری نور فشاں ہے کیسی منوّر بزمِ جہاں ہے

بزمِ جہاں ہے طور کی دُنیا
طور کی دُنیا نور کی دُنیا

نور کی دنیا اور یہ فضائیں ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں
اُف یہ اچھوتی شوخ ادائیں جان کو لوٹیں، دل کو لبھائیں

رگ رگ میں اک لہر نئی ہے
گویا بجلی دوڑ رہی ہے

بجلی دوڑی آئی تجلّی دوڑ کے بجلی، لائی تجلّی
چھائی ہر سو چھائی تجلّی جز و کل میں پائی تجلّی

نورِ تجلّی صورتِ جلوہ
اللہ اللہ کثرتِ جلوہ

کثرتِ جلوہ اور یہ ساماں نکلیں اُمیدیں، نکلے ارماں
غرقِ تحیّر عالمِ امکاں قدرتِ یزداں! تیرے قرباں

تیرے کرشمے ہم نے دیکھے!
دیکھے، دیکھے، دیکھے، دیکھے!

تیری ہی ہر سو جلوہ گری ہے دید سے بیخود خوش نظری ہے
گل کے سر پر تاج زری ہے کھیتی کھیتی، ہری بھری ہے

ابرِ رحمت گھر کر آیا!
سایہ کرنے خَلق پہ آیا!

خَلق بھی کیا اِترائی ہوئی ہے رُخ پہ مسرت چھائی ہوئی ہے
موجِ صبا لہرائی ہوئی ہے اَوج پہ قسمت آئی ہوئی ہے

دلکش، رنگیں، زیبا عالم
پیشِ نظر ہیں کیا کیا عالم

بادِ صبا پر چھائی ہے مستی صبح و مسا پر چھائی ہے مستی
ارض و سما پر چھائی ہے مستی ساری فضا پر چھائی ہے مستی

باغ نہیں ہے میخانہ ہے
پھول نہیں ہے پیمانہ ہے

ایک طرف سبزے کا لہکنا ایک طرف پھولوں کا مہکنا
ایک طرف مستوں کا بہکنا ایک طرف بلبل کا چہکنا

بھید ازل کے کھول رہا ہے
کس کا طوطی بول رہا ہے

طرفہ کھلے گل باغ میں ہر سو   پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو
نرگس کی ہے آنکھ میں جادو   سنبل کے ہیں مشکیں گیسو
شاخ ہے یا موتی کی لڑی ہے
زلفیں کھولے حور کھڑی ہے

جوش نہ کیوں تسنیم کو آئے   رنگ و بو تکریم کو آئے
غنچۂ گل تعظیم کو آئے   بادِ سحر تسلیم کو آئے
جاگ اُٹھی ہے خواب سے وادی
رنگ ہے آب و تاب سے وادی

اوج و رفعت والے چونکے   دولت کے متوالے چونکے
شان و شوکت والے چونکے   چونکے شہرت والے چونکے
کاہن چونکے راہب چونکے!
جملہ اہل مذاہب چونکے!

رُک گئیں سب طوفانی لہریں   ہو گئیں پانی پانی لہریں
موج پہ ہیں ربّانی لہریں   مصروفِ ہیں تابانی لہریں
گرد و غبارِ غم دھو جائے
دہر کا روشن رخ ہو جائے

مکّے کی شفاف ہوا ہے   کوہِ فاراں طور بنا ہے
ذرہ ذرہ ہوش ربا ہے   چپہ چپہ نور فزا ہے

نکلے دل کو چیر کے نعرے
گونج اُٹھے تکبیر کے نعرے

نعرۂ تکبیر اللہ اکبر　　اور یہ تاثیر اللہ اکبر
مائیہ تنویر اللہ اکبر　　آیۂ تسخیر اللہ اکبر

دشت و جبل سے پوچھو ہیبت
لات و ہبل سے پوچھو ہیبت

حشر بپا ہے بُت خانوں میں　　سب ظلمت کے ایوانوں میں
شاہوں میں اور سلطانوں میں　　کعبے کے کُل دربانوں میں

کافر ڈر کر کانپ رہے ہیں
مشرک تھر تھر کانپ رہے ہیں

ان کا ہو کیا کوئی یاور　　جن کے خدا ہوں کنکر پتّھر
آتش خانے سرد ہیں بُجھ کر　　دَیر کا کیسا حال ہے ابتر

قصرِ کسریٰ جنبش میں ہے
روحِ کلیسا جنبش میں ہے

حق کے جویا گھوم رہے ہیں　　گو اب تک محروم رہے ہیں
نقش ہدایت چوم رہے ہیں　　نشّہ نو سے جھوم رہے ہیں

جن و ملائک جھوم رہے ہیں
روح امیں تک جھوم رہے ہیں

سب بام و در جھوم رہے ہیں　　شیشہ و ساغر جھوم رہے ہیں
سرو صنوبر جھوم رہے ہیں　　خوش ہو ہو کر جھوم رہے ہیں

عرش و کرسی جھوم رہے ہیں
لوح و قلم بھی جھوم رہے ہیں

جھوم رہے ہیں حور و غلماں　　جھوم رہے ہیں خلد کے درباں
جھوم رہا ہے کیف میں رضواں　　جھوم رہا ہے عالم امکاں

میکش بے خود، ساقی بے خود
ساقی بے خود، باقی بے خود

آدم بے خود، حوّا بے خود　　موسیٰ بے خود، عیسیٰ بے خود
ادنےٰ بے خود، اعلیٰ بے خود　　دنیا بے خود، عقبیٰ بے خود

صانع نازاں، صنعت بیخود
قادر خنداں، قدرت بیخود

عرش پہ کیا کیا دھوم مچی ہے　　حیرت افزا دھوم مچی ہے
وہ ہے تماشا دھوم مچی ہے　　اس جا، اس جا دھوم مچی ہے

دھوم مچی ہے دونوں جہاں میں
دھوم مچی ہے کون و مکاں میں

خلد کی زینت، دید کے قابل　　عرش کی رفعت، دید کے قابل
شانِ شوکت، دید کے قابل　　کیفِ مسرت، دید کے قابل

دید کے قابل بزمِ قدرت
دیکھے کوئی عزمِ قدرت

عزمِ قدرت اللہ اللہ — ربّی قوت اللہ اللہ
صانعِ صنعت اللہ اللہ — جلوۂ وحدت اللہ اللہ

اللہ اللہ شوقِ بے حد
کس کی یہ ہے آمد آمد

آمد آمد کس کی ہے اس دم — مژدہ رساں ہیں نوح و آدم
محوِ تجلّی، دونوں عالم — اڑنے لگا ہے کس کا پرچم

آگیا لو وہ آنے والا
ختمِ رُسل کہلانے والا

ایسا تھا منظور خدا کو — سامنے لائے نور و ضیا کو
پلٹے اس دنیا کی ہوا کو — روشن کردے ارض و سما کو

زندہ پھر ہو دینِ مقدس
تازہ ہو آئینِ مقدس

آخر ہی ایک پیمبر بھیجا — بہتر بھیجا، برتر بھیجا
دینِ حق کا رہبر بھیجا — نائب خاص بنا کر بھیجا

ختمِ نبوّت اُس پر کردی
چشمِ عنایت اُس پر کردی

ٹھہرا حق کا راج دُلارا — دل کی تسکین آنکھ کا تارا
نام بھی رکھا کتنا پیارا — کہہ کے محمدؐ اس کو پکارا

فخرِ مسیحا، عظمتِ آدم
صلّے اللہ علیہ وسلّم

آئے صداقت لے کر آئے　　آئے رحمت لے کر آئے
دین کی دولت لے کر آئے　　شمع ہدایت لے کر آئے

دہر کو روشن کرنے آئے
بَن کو گلشن کرنے آئے

آئے قرآں لیکر آئے　　حُکمِ یزداں لیکر آئے
علم عرفاں لیکر آئے　　آئے ایماں لیکر آئے

صدقے تیرے آنے والے
خاص شریعت لانے والے

آتے ہی اُن کے بدلی دنیا　　بدلی کفر و شرک کی دُنیا
ہوگئی کیسی اچھی دنیا　　اچھی دنیا پیاری دُنیا

آیا زمانہ ایسے نبیؐ کا
ہوگیا رنگِ باطل پھیکا

راج یہ پایا جس کی بدولت　　جس نے دلائی ہم کو یہ نعمت
مصدرِ فطرت مظہرِ وحدت　　قاطعِ کفر و شرک و بدعت

قائدِ اعظم سرورِ عالم
صلّے اللہ علیہ وسلّم

(وصل بلگرامی)

فردوسِ نظر

مدینہ ہے اور جلوہ سامانیاں ہیں
حبیبؐ دو عالم کی مہمانیاں ہیں

اِدھر عاصیوں کو پشیمانیاں ہیں
اُدھر رحمتوں کی فراوانیاں ہیں

تصدّق ہوں اے قبۂ نور تجھ پر
عجب تیرے جلووں کی تابانیاں ہیں

نگاہوں کی فردوس ہے بزمِ طیبہ
جدھر دیکھئے جلوہ سامانیاں ہیں

جنونِ محبت میں احساس کس کو
یہ دانائیاں ہیں کہ نادانیاں ہیں

انھیں کو ہے سجدوں کی معراج حاصل
جھکی تیرے در پر جو پیشانیاں ہیں

مدینہ کہاں اور کہاں میری قسمت
تری رحمتوں کی فراوانیاں ہیں

حمیدؔ اُن کی رنگیں اداؤں کے صدقے
یہ اشعار ہیں یا گُل افشانیاں ہیں

(حمید لکھنوی)

نعت

زبانِ خدا ہے زبانِ محمدؐ — ہے تفسیرِ قرآں، بیانِ محمدؐ

عرب ہی نہیں بوستانِ محمدؐ — یہ سارا جہاں ہے جہانِ محمدؐ

بنا کر اُسے میزبانِ دو عالم — خدا خود بنا میزبانِ محمدؐ

ان آنکھوں میں ہو حُسنِ یکتا کا جلوہ — یہ سر ہو سرِ آستانِ محمدؐ

گلستاں میں اوراقِ گل پر ہے لکھی — ثنائے خدا داستانِ محمدؐ

محمدؐ ہی بس رازدانِ خدا ہے — خدا ہے فقط رازدانِ محمدؐ

یہ پردے کی ہے بات کوئی کہے کیا — کہ در پردہ تھا کون جانِ محمدؐ

جسے عرشِ اعظم سمجھتے ہیں عرشیؔ

حقیقت میں ہے داستانِ محمدؐ

(عرشی لکھنوی)

اخلاق

فلسفۂ کامیابی

جو سب سے بدتر تھے اس جہاں میں ہیں اُن کے وارث ہی سب سے بہتر
رکاوٹیں جس قدر رہیں پیدا اسی قدر کامیاب ہو گے
یہ چھاؤں جس سے گزر رہے ہو، ثبوت بیّن ہے دھوپ کا خود
شکست کا لطف پا چکے ہو تو ایک دن فتحیاب ہو گے

خزاں اُجاڑے گی جس چمن کو، بہار آئے گی اُس چمن میں
اُسے خوشی بھی نہ ہو گی حاصل جسے کبھی غم نہیں رہا ہے
خدارسیدہ بزرگ ہونا اسی سے ممکن ہے اس جہاں میں
گناہگاروں میں جو یہاں کے کسی سے کچھ کم نہیں رہا ہے

جو بے بسی میں گرے ہیں افسردہ ہی تو گہرائی سے ہیں واقف
جو دل سے نکلا ہے کوئی نالہ، فلک پہ وہ بااثر رہا ہے
بلندیوں پر وہی چڑھے گا، نشیب میں جو اُتر سکے گا
جو چوٹیوں پر گیا ہے رستہ وہ گھاٹیوں سے گزر رہا ہے

(انسر برنی)

دولت

کہتے تھے برا زر کو سخن سنج پرانے — ان لوگوں کے ہمراہ گئے انکے زمانے
وہ فلسفہ و علم و ادب اب ہیں فسانے — بدلا ہے نیا رنگ زمانے کی ہوا نے

دولت سے ہے اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہیں اُسے شمع جلو خانہ تہذیب

مٹ جانے پہ بھی نام و نشاں رہتا ہے اس سے — سرچشمۂ اُمید رواں رہتا ہے اس سے
تازہ چمنِ تاب و تواں رہتا ہے اس سے — پیری میں بھی انسان جواں رہتا ہے اس سے

ہر رنگ میں یہ تازگی قلب و جگر ہے
ہے صلح میں شمشیر لڑائی میں سپر ہے

کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سود — رہتا ہے سدا سایہ فگن طالع مسعود
انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود — زر ہاتھ میں اسکے ہے کلید در مقصود

کب گوہر امید کو رولا نہیں اس نے
تھا کون سا در بند جو کھولا نہیں اس نے

ہوں طالب تحقیق کہ دل دادۂ تعلیم — خم سامنے دولت کے ہے سب کا سر تسلیم
سنتے ہیں انہیں کیلئے ہے کوثر و تسنیم — یاں جو رہِ مولیٰ میں لٹاتے ہیں زر و سیم

دنیا ہی میں کچھ ذکر نہیں تازہ ہے اس کا
دربار میں اللہ کے آوازہ ہے اس کا

لیکن وہ زر و مال نہیں قابلِ تحسین — انساں کو بنا دے جو شکم پرور و خودبیں
زردار وہ ہے جسمیں شرافت کے ہوں آئیں — ہو بزم محبت کے لئے باعثِ تزئیں
سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اس کا
باراں کی طرح فیض و کرم عام ہو اس کا

مانا ہوس زر ہے بشر کے لئے عادت — لیکن نہیں دنیا میں فقط اک یہی نعمت
کچھ اور بھی جوہر ہیں عطا کردۂ قدرت — غمخواری و دلجوئی و ہمدردی و الفت
زر آپ نہیں دشمنِ اخلاق و ادب ہے
جو حد سے گزر جاتی ہو وہ اسکی طلب ہے

جو لوگ مے حرص سے دنیا میں ہیں سرشار — جینے کی لطافت سے نہیں انکو سروکار
مانند گدا زر کے ہیں ہر وقت طلب گار — آزاد کہاں دام طمع میں ہیں گرفتار
محروم مے عیش سے یہ خستہ جگر ہیں
مالک نہیں زر کے ہیں فقط بندۂ زر ہیں

دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو — اکسیر ہو دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جلا ہو — ظلمات فلاکت کے لئے آبِ بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغ وطن میں
جیسے کرم ابرِ گہربار چمن میں

ہر صبح گلستاں میں بصد شان فصاحت بلبل گُلِ رنگیں سے یہ کرتی ہے حکایت
دیکھ اُس چمن آرائے دو عالم کی عنایت گھٹتی کبھی دیکھی نہیں فیاض کی دولت

گو کم دُرِ خوش آب لُٹانا نہیں ہوتا
خالی کبھی شبنم کا خزانا نہیں ہوتا

مانا سبب شوکت و اجلال ہے دولت پر مفلس و بیکس بھی نہیں قابل نفرت
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت بس نشۂ زر سے نہ جھکے چشم مروت

ہے کبر اسے شان امارت نہیں کہتے
کچھ کہئے اسے حُسن شرافت نہیں کہتے

کس اوج پہ خورشید جہانتاب ہے معمور دل تیرگی کبر سے کوسوں ہے مگر دور
گو خاک نہیں ذرۂ ناچیز کا مقدور دیتا ہے اسے جام سے اپنے وہ مئے نور

یا ماہ کا اس اوج پہ کیا فیض عیاں ہے
ہر خانۂ مفلس کے لئے شمع مکاں ہے

یا باغ میں کھلتا ہے دم صبح گلِ تر کیا کیا اسے ہوتے نہیں اعزاز میسر
بنتا ہے عروسانِ جہاں کے لئے زیور دستار میں نوشہ کے رہا کرتا ہے اکثر

لیکن نہ کسی وضع پہ اس ڈھنگ سے دیکھا
بیکس کی لحد پر اسے جس رنگ سے دیکھا

(پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی)

صداقت

دل غش ہے جو حسنِ راستی پر
جس کا اک سادگی ہے زیور

اس کو دل کا بنا کے مختار
بن جا خود بندۂ وفادار

اس کو ہرگز نہ ترک تو کر
ثابت قدمی ہے عمدہ جوہر

بخشے گی جہاں میں تجھ کو عزت
موتی کی آب ہے صداقت

اک لفظ فریب یا دغا کا
اس کے منھ سے نہیں نکلتا

ہوتا ہے وہ جھوٹ سے پریشاں
ہر حرفِ غلط پہ خود پشیماں

سچ کے لئے مستعد وہ ہر دم
اس کا ہر قول، قولِ محکم

مردانہ وار طرز گفتار
آئینہ شان حسنِ کردار

نفرت رہی فریب سے دغا سے
وعدہ نزدیک تر وفا سے

وہ اپنی زبان کا ہے پابند
دل وعدہ وفائیوں سے خرسند

سچ بولنے کی ہے اسکو جرأت
ہے جھوٹ سے خوف بلکہ نفرت

دھبے سے ریا کے پاک دامن
دل کی حالت زباں سے روشن

(سید علی نقی صفی لکھنوی)

لڑکیوں کی تعلیم

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے — لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے
حُسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے — اور اُس کے والدین کا بیشک قصور ہے

ان پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست
چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شاد و مست

لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت — جس سے بڑھے برادری میں قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت — ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ
شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ

مذہب کے جو اصول ہوں اسکو بتائے جائیں — باقاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں
اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں — سکّے خدا کے نام کے دل میں بٹھائے جائیں

عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
اور حُسن عاقبت کی ہمیشہ دُعا کرے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے — دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے
یہ کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے — لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے

گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر
درزی کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر
عورت کے دل میں شوق ہو اس بات کا اگر
کپڑوں سے بچے جاتے ہیں گل کی طرح سنور

کسب معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
اک شغل بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی امید

سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
صحت نہیں درست تو بےکار زندگی
کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی
آفت ہے ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی

تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

دنیا میں لذتیں ہیں، نمائش ہی شان ہے
ان کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبر سے یہ سنو کہ جو اس کا بیان ہے
دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے

حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اس کا عمل خراب
آج اس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

(اکبر الہ آبادی)

ابراہیم ادھم

حضرت ابراہیم ادہم سو رہے تھے ایک شب
خواب سے چونکے تو منظر کچھ نظر آیا عجب
دیکھتے کیا ہیں کہ نور افشاں ہے ماہِ پُر ضیا
اور مثلِ گُل شگفتہ اک فرشتہ ہے کھڑا
لکھ رہا ہے کچھ کتابِ زر میں وہ قدسی صفات
ہمّت افزا دیکھ کر اس کی نگاہ التفات
بولے ادہم "آپ کیا لکھتے ہیں یہ ہے کیا کتاب؟"
مُسکرا کر یوں لطافت سے دیا اس نے جواب
عاشقانِ حق کے ناموں کی یہ ہے فہرستِ عام"
پوچھا ادہم نے کہ "اس میں ہے کہیں میرا بھی نام"
"آپ کا اسمِ گرامی تو جناب اس میں نہیں"
سُن کے یہ کہنے لگے ادھم بآوازِ حزیں

"عاشقِ یزداں اگر بننے کے لائق میں نہیں
اس کے بندوں سے تو ہے مجھ کو محبت بالیقیں
آپ انسانوں کے ہمدردوں میں لکھ لیں میرا نام
خدمتِ خلقِ خدا میرا ہے اک مرغوب کام"
جب استدعا فرشتہ نام لکھ کر چل دیا
دوسری شب پھر بڑی اک شان سے حاضر ہوا
اور ایک فہرست ابراہیم کے ہاتھوں میں دی
چاہتا ہے خود خدا جن کو یہ اُن لوگوں کی تھی
دیکھتے ہی حضرت ادہم کی باچھیں کھِل گئیں
کیونکہ اس میں تھا انھیں کا نام نامِ اوّلیں

(ڈاکٹر سعید احمد بریلوی)

اُمّید

زمانہ اگر صحنِ باغِ ارم ہے
تو تو اے اُمید اس کی ابرِ کرم ہے

شگوفوں میں سا چھین ہے تو مسکرا کر
تو ہی کھلکھلاتی ہے پھولوں میں آکر

تمنا کے کھیتوں میں ہلچل ہی تیری
تمدّن کے میداں میں ہلچل ہی تیری

تو ہی یاس کے پودوں کو دیتی ہے پانی
ہرا تجھ سے ہے گلشنِ زندگانی

شگوفوں کے کوچوں میں تو دوڑتی ہے
یہ تو دوڑتی ہے کہ بُو دوڑتی ہے

ترے سر پہ تاجِ شہی سج رہا ہے
ترے در پہ کوسِ شہی بج رہا ہے

چڑھی تو مخالف پہ لشکر کو لے کر
پھری باج لے کر چلی تاج لے کر

دیا تو نے سلطاں کو خلعت سُنَہرا
ہوا میں تری اڑ رہا ہے پھریرا

رہی کودتی عشق کے ڈنگلوں میں
پھری قیس کے ساتھ تو جنگلوں میں

تہِ چاہ یوسف کو تو نے سنبھالا
کیا تو نے یعقوب کے گھر اُجالا

خلیلِ خدا کو جب آتش میں بھیجا
کیا تو نے چھینٹوں سے ٹھنڈا کلیجا

تو ہی ہے جوانوں کے گھوڑوں کی کاٹھی
تو ہی ہے ضعیفوں کے ہاتھوں کی لاٹھی

اُٹھایا اپاہج کو بستر سے تو نے
جِلایا ہے مردوں کو ٹھوکر سے تو نے

جگاتی ہے چھینٹوں سے تو غافلوں کو
اٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو

رگوں میں لُہو بن کے تو دوڑتی ہے
ترے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے

تو ہی ڈوبتی ناؤ کا ہے کنارا
تو ہی دیتی ہے ڈوبتے کو سہارا

دولھن کربلا میں بنی تو مچل کر
بن آئی شہادت کا بانا بدل کر

سمندر میں نیلسن کو لیکر بڑھی تو
ولنگٹن کو میداں میں لیکر چڑھی تو

اکولمبس کو تیری ہی لہر آرہی تھی
ڈگاما کی آنکھوں میں لہرا رہی تھی

گئی جیت تو بازئی نیچرل بھی
سنا دے پھڑکتی ہوئی اک غزل بھی

کلیسا میں بت کی ادا بن گئی تو
حرم میں پہونچکر خدا بن گئی تو

یہ پردے کی ہر بات سن لے نہ کوئی
کہ پردے میں کیا جانے کیا بن گئی تو

اکٹھا کیا تو نے بچھڑے ہوؤں کو
کہ جنگل میں بانگ درا بن گئی تو

لگائی ہو تو تجھ سے اجڑے ہوؤں نے
اندھیرے گھروں میں دیا بن گئی تو

تری لاگ سے زور گھٹنوں میں آیا
کہ دکھیا تنوں کی عصا بن گئی تو

سکندر نے تاکا اندھیرے میں تجھ کو
تجلّائے آب بقا بن گئی تو

گریباں میں چل کر جنوں بن گئی تو
دوپٹے میں چھپ کر حیا بن گئی تو

ہر اک راہ میں راہبر ہو گئی تو
ہر اک ناؤ میں ناخدا بن گئی تو

ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے
ہر اک درد دکھ میں دوا بن گئی تو

یہاں تو وہاں تو سقر تو جناں تو
جزا بن گئی تو سزا بن گئی تو

دلوں میں اتر کر تمنا ہوئی تو
زبانوں پہ چڑھ کر دعا بن گئی تو

بیاں کے سوا تو نے سب سے نباہی
یہیں آن کر بے وفا بن گئی تو

(بیاں)

جوگی

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی، وادئ ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہوا
جب بادِ صبا مضراب بنی ہر شاخِ نہال رُباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و چمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے عرفان کی تانیں اُڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماعِ طیور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرور سجائی تھی
بن میں، گلشن میں، آنگن میں فرشِ سنجاب سمور ہوا
تھا دلکش منظرِ دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھی

یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی

یاں قلۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی

تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی

سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی

جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر میں نے سلام کیا
تب آنکھ اٹھا کر ناظرؔ سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کس لئے آکے ستاتے ہو
میں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آکے پھنساتے ہو

کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو آکے سناتے ہو

ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو

تم پوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت جگاتے ہیں من کی تم اس کو آکے بجھاتے ہو

سنسار سے یاں مُکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو

اس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ پر یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا

ہیں ہم پردیسی سیلانی مست ناحق جوش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی

آبادی سے منھ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہی ڈیرا کیوں
ہر محفل میں، ہر منزل میں ہر دل میں ہی نورِ خدا جوگی

کیا مندر میں، کیا مسجد میں سب وجہ اللہ کا جلوہ ہے
پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اُترا ہے ہر جا جوگی

جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
واں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی

واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

اِن چکنی چپڑی باتوں سے مست جوگی کو پھسلا بابا
جو آگ بجھائی جتنوں سے مست اس پر تیل گرا بابا

ہے شہروں میں غُل شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھو کی ہے بن میں جا بابا
ہے شہر میں شورش نفسانی، جنگل میں ہے جلوۂ رُوحانی
ہے نگر ڈگر ہی کثرت کی، بن وحدت کا دریا بابا
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں، پرجا کی نہیں پروا بابا
سر پر آکاس کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا
جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں گاتی ہے ملار ہوا بابا
یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں پریتم کے سندیس سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں پھل پھول اور برگ گیا بابا
ہے ہر دم پیٹ کا دھیان تمھیں اور یاد نہیں بھگوان تمھیں
سِل پتھر اینٹ مکان تمھیں، دیتے ہیں سکھ سے چھڑا بابا
تن من کو دھن میں لگاتے ہو پریتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو تم بندۂ حرص و ہوا بابا
دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالمِ فانی ہے باقی ہے ذات خدا بابا

(ناظر)

جاہل ماں

عروسی کی محمد میرزا نے — دیا اک چاند سا بیٹا خدا نے
محمد میرزا ہیں صاحبِ جاہ — بڑھایا تھا جنھیں بختِ رسا نے
بڑا معروف تھا اُن کا گھرانا — بہت کم ہوتے ہیں ایسے گھرانے
امارت ان کی تھی مشہورِ عالم — تجارت کے کئی تھے کارخانے
سب اچھا تھا مگر بیوی تھی جاہل — وہ کیا جانے کسی کے گھر بنانے
ہوئی فرزند ہونے کی وہ شادی — بجے گھر میں کئی دن شادیانے
ادھر اُٹھا مبارک باد کا غُل — ادھر مطرب لگے گانے بجانے
جگر ٹھنڈا ہوا محفل ہوئی گرم — کھنچے تنبو قنات اور شامیانے
کُھلے توڑوں کے منھ فرطِ خوشی سے — لگے خوش ہو کے سب دولت لٹانے
کئی دن تک رہا شادی کا عالم — مگر کچھ دن میں رخ بدلا ہوا نے
یکایک اُڑ گئی دولت وہاں کی — دکھائی ذات اپنی بے وفا نے
غنی سے ہو گئے محتاج مرزا — گئے باہر کہیں کھانے کمانے
اکیلی رہ گئی وہ نامبارک — لگی اپنے چلن سے گھر جلانے
کبھی کاجل، کبھی تیل اور اُبٹنا — لگی بچے کو آئے دن لگانے

نہ سمجھا فائدہ نقصان اپنا ۔۔۔ لگی ہر چیز بچّے کو کھلانے

بڑھی بچّے کی جب بے اعتدالی ۔۔۔ خلل بھی پھر لگا صحت میں آنے

کھلائیں اس کو چیزیں ناموافق ۔۔۔ نکل آئے بدن میں اسکے دانے

پڑا بیمار بچّہ ماں کے ہاتھوں ۔۔۔ بخار اس کو لگا شدت سے آنے

دوا پرہیز سے بچتا وہ بچّہ ۔۔۔ مگر مارا اسے اس ناسزا نے

جہالت کا بُرا ہو وہ محبّت ۔۔۔ عداوت تھی محبت کے بہانے

دوا درمن کو لوگوں نے کہا جب ۔۔۔ لگی ناداں ناک اور بھوں چڑھانے

سُنایا نام جس نے ڈاکٹر کا ۔۔۔ چلی وہ گالیاں اُس کو سُنانے

لگی کہنے یہ کوئی اور شے ہے ۔۔۔ نگوڑا "ڈانگدر" کیا اس کو جانے

مرا ننھا کہیں نظر آگیا ہے ۔۔۔ اسے صورت ہی ایسی دی خدا نے

پڑوسن اسکی تھی اک اور بے عقل ۔۔۔ ملائی ہاں میں ہاں خوب اُس ہُوا نے

پلائیں گھٹیاں بے سمجھے بوجھے ۔۔۔ لگیں پھر منتیں دونوں منانے

مزاروں پر ملوں گی چل کے آنکھیں ۔۔۔ چلوں گی قبر پر چادر چڑھانے

گُنی رمّال ۔ نالائق نجومی ۔۔۔ سب آئے قسمتیں اپنی لڑانے

منگائے مولوی ٹما سے جنتر ۔۔۔ بُلائے دیس کے عامل سیانے

کبھی جب شاہ جی مسجد میں آئے ۔۔۔ چلی خود پھونک بچّے پر ڈلانے

کئی تعویذ سیّد سے منگائے ۔۔۔ وہ سید جس نے دیکھے تھے زمانے

خدا کا نام تھا انمول ان میں ۔۔۔ جنھیں وہ بیچتے تھے آنے آنے

کسی سے کوئی حکمت بن نہ آئی ہوئے مایوس سب اپنے بیگانے
ہوا آرام بیٹے کو نہ زنہار لگی محنت نہ آماں کی ٹھکانے
کوئی اس بات کی تہہ کو نہ پہونچا یہ کیا اسرار تھا اللہ جانے
شکم کا عارضہ تھا بے زباں کو مگر ماں نے دیا اسکو نہ جانے
دوا کا نام جو لیتا تھا کوئی اُسی کو دوڑتی تھی کاٹ کھانے
جہالت کے پکا کر ڈھائی چاول لگی ناداں دال اپنی گلانے
زمانہ لاکھ سمجھاتا تھا اس کو مگر اس کی جہالت کس کو مانے
مرا بچّہ مرا جاتا ہے لوگو چلے پر اور تم آئے جلانے
کھڑا رہنے نہ دوں گی ڈاکٹر کو یہی بیٹھی تھی اپنے دل میں ٹھانے
خبر گیری نہ اُسکی ہو سکی جب خبر لی آکے بچّے کی قضا نے
وہ بچّہ چل بسا نادانیوں سے لگی ماں پیٹنے اور خاک اُڑانے
سُنا یہ حال جب تو فرطِ غم سے کہا چلّا کے اک مردِ خدا نے
"جو چاہو خیر لڑکوں کی تو پہلے بٹھاؤ لڑکیاں اپنی پڑھانے"
کھلی ہے نیند کچھ فضلِ خدا سے کچھ اب بدلی ہو کروٹ انڈیا نے

غضب تھا یہ جہالت کا نتیجہ
ستم ہے جان لی بچّے کی ماں نے

(طالب بنارسی)

کیا ہے؟

ذرا یمین و یسار دیکھو کہ صنعتِ کردگار دیکھو
چمن کے نقش و نگار دیکھو عمارتِ کوہسار دیکھو
یہ دشت دیکھو دیار دیکھو یہ بحرِ آئینہ وار دیکھو
ہواؤں کے راہوار دیکھو ہیں بادل ان پر سوار دیکھو

ستارے جو زیبِ آسماں ہیں فضا میں ہر سو چماں چماں ہیں
یہ بحر میں گویا کشتیاں ہیں کبھی یہاں ہیں کبھی وہاں ہیں
شفق ہے کیا اور اُفق ہے کیسی ہیں کیسے دلچسپ یہ نظارے
یہ آسماں کیا ہے اور کیا ہیں یہ ماہ و خورشید اور ستارے
طلوع ہو کر غروب ہو کر ہمیشہ کرتے ہیں کیا اشارے
خبر ہیں کس مُبتدا کی اور مطیع فرماں ہیں کس کے سارے
کوئی تو سمجھا ہے ان کو حادث کسی کو کچھ اور ہی گماں ہے
کسی کے لب پر جنیں چناں ہے تو کوئی انگشت در دہاں ہے
شجر پُر از برگ و بار کیا ہے حجر میں پنہاں شرار کیا ہے
چمن میں صورت ہزار کیا ہے یہ لالۂ داغدار کیا ہے

یہ سبزہ یہ آبشار کیا ہے یہ نکہت مشکبار کیا ہے
یہ لیل کیا ہے نہار کیا ہے خزاں ہے کیا اور بہار کیا ہے
ہے شہرہ نزدیک دور اس کا ہر ایک شے ہے ظہور اس کا
ہے عیب اس کا قصور اس کا ہے متصل اس کا دور اس کا
کہاں سے ہر شے نے پائی خلقت کہاں سے ہر شے میں آئی فطرت
ہے شعلۂ نار میں حرارت تو قطرۂ آب میں طراوت
ہے عرض کیا اور کیا ہے جوہر گہر ہے کیا، کیا ہے آب گوہر
نظر ہے کیا اور کیا ہے منظر عیاں ہے کیا اور کیا ہے مضمر
یہ صاحبِ تختِ عزّ و شاں ہے تو اس کو تشویش و فکر ناں ہے
جو محفلِ ناؤ نوش واں ہے تو عبرت انگیز یاں سماں ہے
کہیں تو مارمعیں رواں ہے کہیں پڑا کوئی تشنہ جاں ہے
کوئی تو نووار دِ جہاں ہے تو کوئی دم بھر کا میہماں ہے

مگر اب آیا ہے وہ زمانہ وہی ہے فرزانہ اور دانا
کہ جس نے خالق، حکیم، حاکم زمانہ مانا خدا نہ مانا

(نقی فتحپوری)
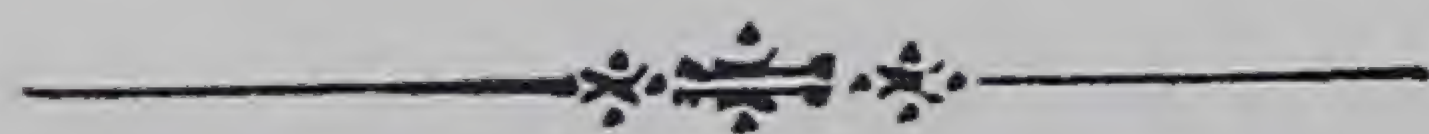
اِتّحاد

ہے ربط عام بزمِ نسرین و نسترن میں ذرّوں کی وسعتوں میں تاروں کی انجمن میں
بیگانگیٔ سبزہ اک رنگ پر ہے قائم اوراق متّحد ہیں پھولوں کے پیرہن میں
یہ لعنتِ تمدّن، کہتے ہیں جسکو انساں کیوں اختلاف پیدا ہے دَورِ پُرفتن میں
اب تک نہ اُس نے سیکھا باایں ہمہ قدامت آئین دوستداری اس محفلِ کہن میں
درسِ سکوں نوائی بھولا ہوا ہے ہندی ہے انتشار پیدا شیرازۂ وطن میں

یارب مذاقِ اُلفت قوموں میں عام کردے
یا یہ زمیں اُلٹ کر قصّہ تمام کردے

(سیماب)
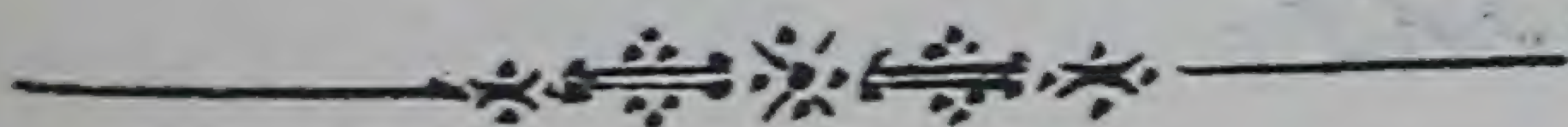
کسان

عزّت ہے نزدِ گبر و مسلماں کسان کی　　کیا جانے قدر جاہل و ناداں کسان کی
خلقِ خدا ہے بندۂ احساں کسان کی　　دنیا تمام یعنی ہے مہماں کسان کی

ہے اسکی میزبانی کا شہرہ جہان میں
شانِ خلیلِ حق ہے نمایاں کسان میں

وقفِ رفاہِ عام ہے محنت کسان کی　　صرفِ فلاحِ ملک ہے قوت کسان کی
عالم کے واسطے ہے مشقت کسان کی　　اللہ رے یہ چشم مروت کسان کی

ہے کام ساری عمر بشر کی بھلائی سے
کچھ اس کا واسطہ نہیں اپنی کمائی سے

اپنی نہیں ہے فکر کچھ اصلا کسان کو　　آرام و عیش کی نہیں پروا کسان کو
ہیں رنج سو طرح کے گوارا کسان کو　　تکلیفیں سہنا پڑتی ہیں کیا کیا کسان کو

ہے مفلسی کی گود میں پل کر بڑا ہوا
ہمدردئ بشر کا ہے چسکا پڑا ہوا

ضرب المثل نہ کیوں ہو قناعت کسان کی　　روشن ہے سب جہان پہ حالت کسان کی
تھوڑی سی پونجی تھوڑی سی دولت کسان کی　　اور اس پہ دیکھنے کی ہے ہمت کسان کی

غم اپنا کچھ نہیں ہے ذرا بھی کسان کو
ہے فکرِ رزق خلقِ خدا کی کسان کو

مشغول اپنے کام میں ہے روز و شب کسان
مصروف کاروبار ہے جب دیکھو تب کسان

ہے مستعد بلا کا جفاکش غضب کسان
وقت عزیز اپنا گنواتا ہے کب کسان

ہر صبح گھر سے دیکھا نکلتے کسان کو
کٹتی ہے عمر دھوپ میں جلتے کسان کو

بودا نہیں ہے رشتۂ الفت کسان کا
رہتا ہے ایک رنگ طبیعت کسان کا

مذہب نہیں ہے بغض و عداوت کسان کا
شیوہ نہیں ہے قطع محبت کسان کا

کرتا ہے کیسی زندگی صُلح کُل بسر
پر خاش پر کسی کی نہیں باندھتا کمر

رحمت خدائے پاک کی تجھ پہ کسان ہو
سرسبز تیرا کھیت سراسر کسان ہو

محنت کا اجر تجھ کو میسّر کسان ہو
غلّہ سے پُر ہمیشہ ترا گھر کسان ہو

. . . .

. . . .

(نامعلوم)

راست بازی

ایک تاجر شہر بصرہ میں تھا جس نے لیکے مال
سوس کو بھیجا غلام اپنا تجارت کے لئے

اس نے مالک کو لکھا، ضائع ہوئی سب نیشکر
ملک میں ہوگا شکر کا قحط خلقت کے لئے

چپکے چپکے گھر میں بھر لو تم شکر جتنی ملے
مہنگے مولوں لوگ لیں گے ہی ضرورت کے لئے

شہر میں تاجر شکر کا اک مسلماں اور تھا
جو شکر رکھتا تھا وافر اہلِ حاجت کے لئے

سب شکر لی اس سے مخفی رکھ کے راز نیشکر
اس کی قسمت پر کیا دار اپنی قسمت کے لئے

لے گیا وہ سوس کو تو خوب ٹوٹے اہلِ سوس
رال ٹپکی ان کی شیرینی کی لذت کے لئے

جب شکر سب بک چکی اور ہو چکا نفعِ کثیر
تب وطن یاد آیا اس کو اپنی راحت کے لئے

آکے سوچا وہ کہ یہ سرزد ہوا ایسا گناہ
رنگ رُخ کافی نہیں جس کی ندامت کے لئے

لے گیا مال اُس کے گھر جس شخص سے لی تھی شکر
معذرت کی جُرم اخفائے حقیقت کے لئے

اس کو دینے پر تھی ضد اور اُسکو لینے میں تھا عذر
بحث شاہد بن گئی تھی حُسن نیّت کے لئے

دینے والے نے کہا میں تو نہ لوں گا مال نفع
یہ طمع مقراض ہو قطع محبّت کے لئے

گرد ہے یہ مال، اس سے راستی برباد ہو
داغ ہے یہ مال دامان حمیّت کے لئے

دے کے مانا اور کہا رو کر کہ یارب کر معاف
اپنے بھائی سے دغا کی ہے نے دولت کے لئے

(احمد علی شوق قدوائی)

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات پہ ہم منہ کھولیں گے — سچ جھوٹ کو پہلے تولیں گے
سچّے رستے پھر ہولیں گے — کیوں جھوٹے موتی رولیں گے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات سے ہو ناراض خدا — ماں باپ الگ ہوں جس سے خفا
رنجیدہ ہو اُستاد جُدا — اس بات سے ہم کو حاصل کیا
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

کرتا ہے جھوٹ پہ کون یقیں — سب جھوٹ پہ کرتے ہیں نفریں
جھوٹے کی قدر نہیں ہے کہیں — یہ سچ ہے سانچ کو آنچ نہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

گو سچ پر جان بھی جاتی ہو — گو موت کھڑی دھمکاتی ہو
پتّھر کے نیچے چھاتی ہو — اور سانس اُلٹ کر آتی ہو
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ سچ ہے جھوٹ ہے جھوٹ سدا — ذلّت انجام ہے جھوٹے کا
اک بار جو ثابت ہو جھوٹا — اس کی دُنیا میں وقعت کیا

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچّے کی عزّت ہوتی ہے   جھوٹے کی ذلّت ہوتی ہے
سچّے پر رحمت ہوتی ہے   جھوٹے پر لعنت ہوتی ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ بات کا ہم کو سہارا ہے   سچ جان سے ہم کو پیارا ہے
دشمن یہ جھوٹ ہمارا ہے   دشمن کو ہم نے مارا ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

دی سچّی زبان خدا نے ہیں   توبہ توبہ! کیوں جھوٹ کہیں
جو جھوٹ کہیں وہ خوار پھریں   یارب! ہم جھوٹ سے دُور رہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

محرومؔ ہمیں سچ کہتا ہے   جو سچّا ہے خوش رہتا ہے
ہنس کھیل کے رہتا سہتا ہے   جو جھوٹا ہے غم سہتا ہے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

(منشی تلوک چند محرومؔ)

حکایت

غوث اعظم رہبرِ راہِ عُلو — قدس اللہ تعالےٰ سرّہٗ
تھے ابھی طفل صغیر و خُرد سال — مادرِ مشفق سے کی یہ عرض حال
چاہتا ہوں عازمِ بغداد ہوں — تا حصول علم سے دل شاد ہوں
جا کے لوں بغداد میں درس علوم — ہے وہاں اہل معانی کا ہجوم
شرط ہے لیکن اجازت آپ کی — فرض ہے فرمانبری ماں باپ کی
دو اجازت تو کروں ترکِ وطن — جانب بغداد ہوں میں گامزن
بر بنائے خیر تھا قصدِ سفر — لاجرم تسلیم کی عرض پسر
اور کہا ہشتاد دینار اے خلیل — چھوڑے بابا نے ترے وقتِ رحیل
نصف حصّہ ہی ترا یہ ٹھیک ٹھیک — دوسرا بھائی ہی آدھے کا شریک
عمر تھوڑی اور سفر پہلے پہل — دیدئے پر سی دئے زیر بغل
صدق کا ان سے لیا پھر عہد سخت — اور کہا سچ بولنا اے نیک بخت
پاس صدق و راستی رکھیو مُدام — راستی و صدق سے کیجو کلام
ہر جگہ ہر حال میں ہر رنگ میں — رہیو صدق و راستی کے ڈھنگ میں
کوئی حالت پیش آئے اے پسر — راست گوئی میں نہ کیجو درگزر

راستی کا ہے نتیجہ بے غمی — راست گوئی میں نہ کیجو کچھ کمی

راستی ہے موجبِ فضلِ الٰہ — راستی سے تم رہو گے روبراہ

راستی کو چھوڑیو مت زینہار — کیجو دائم راستی کو اختیار

راستی پر رہیو قائم ہر زماں — راستی کا ہے ثمر امن و اماں

الوداع اے جانِ مادر الوداع — لو خدا حافظ مکرر الوداع

راہیِ بغداد تھا اک کارواں — اس کے ہمراہ ہو گئے حضرتؒ واں

چل دیئے گیلاں سے اہلِ قافلہ — شاد و خرم مرحلہ در مرحلہ

منزلِ ہمداں سے جب گزرے اُدھر — ان پہ ٹوٹے رہزنانِ خیرہ سر

قافلہ تاراج و غارت کر دیا — دم زدن میں رختِ مال و زر لیا

ایک نے حضرت سے پوچھا کیا ہے پاس — بولے یہ دینار ہیں دس کم پچاس

پوچھا کس جا پر، کہا زیرِ بغل — چپ ہوا سُن کر جوابِ برمحل

یہ تو وقتِ خوف اور یہ بے بسی — راستی کو ان کی سمجھا یہ ہنسی!

دوسرا قزاق آیا گرم تر — اسنے بھی پوچھا کہ ہے کچھ اے پسر

بولے، ہاں صاحب چہل دینار ہیں — تم سے ہم کب برسرِ پیکار ہیں

یوں جو بے باکانہ حضرت نے کہا — وہ بھی استہزا سمجھ کر چپ رہا

جب ہوئے قزاق سب یکجا بہم — از برائے قسمتِ دام و درم

تب کیا افسر سے دونوں نے بیاں — وہ جو لڑکا ہے میانِ کارواں

یوں نشاں دیتا ہے بے خوف و ہراس — ہم تو سمجھے کچھ نہیں ہے اسکے پاس

سُن کر اس سردار کو آیا عجب | روبرو اپنے کیا ان کو طلب
پھر کیا حضرت نے خود اس سے سوال | کس قدر ہے اور کہاں ہے تیرا مال
آپ نے اس سے کہا اے پر دغل | یہ چہل دینار ہیں زیر بغل
کھول کر دینار گنوائے تمام | سب پہ ظاہر ہو گیا صدق کلام
جب تو اس سردار کو حیرت ہوئی | سخت اُمنگیر دل غیرت ہوئی
پوچھی پھر حضرت سے وجہ اعتراف | کیوں کیا اقرار تم نے صاف صاف
بولے مادر نے سنائی شان صدق | کر چکا ہوں اس سے میں پیمانِ صدق
جب مجھے بغداد کو رخصت کیا | عہد صدق و راستی مجھ سے لیا
عہد ہے مثل امانت ارجمند | ہے امانت میں خیانت ناپسند
سُن کے رویا مہترِ غارت گراں | ہائے میں ہوں روسیاہِ دو جہاں
میں نے توڑا عہدِ ربِ ذو الجلال | مجھ کو اس حال میں گزرے چند سال
وہ بھی اور سب اس کے یارانِ طریق | ہو گئے بحرِ ندامت میں غریق
پیش آں حضرت ہوئے تائب تمام | جو لیا تھا دے دیا سب دام دام
راستی سے ہو گئی سب کو نجات | راستی ہے موجدِ آبِ حیات

دائما تو راستی سے کام لے
مت تکلف اور ریا کا نام لے

(حالی)

درسِ عبرت
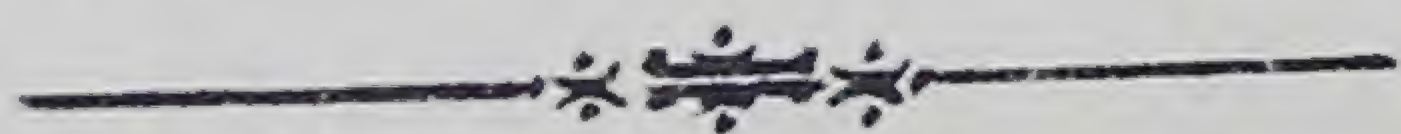
دُنیا رہ گزر ہے

"کچھ کچھ کہوں گا" روز یہ کہتا تھا دل میں مَیں
آشفتہ طبع میرؔ کو پایا اگر کہیں

سو کل ملا مجھے وہ بیاباں کی سمت کو
جاتا تھا اضطراب زدہ سا اُدھر کہیں

لگ چل کے میں برنگِ صبا یہ اُسے کہا
کاے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

آشفتہ جا بجا جو پھرے ہے تو دشت میں
جاگہ[1] نہیں ہے شہر میں تجھ کو مگر کہیں

آسودگی سے جنس کو کرتا ہے کون سوخت
جانے ہے نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں

موتی سے تیرے اشک ہیں غلطاں کسو طرف
یاقوت کے سے ٹکڑے ہیں لختِ جگر کہیں

---

(۱) جاگہ بہ معنی جگہ

تا کے یہ دشت گردی و کب تک یہ خستگی
اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل ہے مر کہیں

کہنے لگا وہ ہو کے برآشفتہ یک بیک
"مسکن کرے ہے دہر میں مجھ سا بشر کہیں

آوارگاں کو ننگ ہے سُننا نصیحتیں
مت کہیو ایسی بات تو بارِ دگر کہیں

تعیین جا کو بھول گیا ہوں پہ یہ ہے یاد
کہتا تھا ایک روز یہ اہل نظر کہیں

بیٹھے اگرچہ نقش ترا تو بھی دل اٹھا
کرتا ہے جائے باش کوئی رہ گزر کہیں

کتنے ہی آئے لے گئے سر پر خیال میر
ایسے گئے کہ کچھ نہیں ان کا اثر کہیں

(میر تقی میر)

وہ بھی زمانہ آئے گا

رہبر خود گمراہ ہوئے ہیں، آج زمانہ ایسا ہے
ہر اک گام پہ منزل ہوگی وہ بھی زمانہ آئے گا

دولت ہے نیکی میں داخل، آج زمانہ ایسا ہے
دولت جُرم میں داخل ہوگی وہ بھی زمانہ آئے گا

آج اندھیرا ہے ہر گھر میں، آج زمانہ ایسا ہے
جگ مگ جگ مگ محفل ہوگی وہ بھی زمانہ آئے گا

ہر مشکل آسان ہوئی ہے، آج زمانہ ایسا ہے
ہر آسانی مشکل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا

دنیا میں راحت نہیں ملتی، آج زمانہ ایسا ہے
سچّی راحت حاصل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا

خوش دل ہونا بھی ہے اچنبھا، آج زمانہ ایسا ہے
ساری دنیا خوش دل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا

کشتی ہے گرداب میں افسر آج زمانہ ایسا ہے
کشتی نزدِ ساحل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا

(افسر میرٹھی)

عبرت

مجلس تھی جن چراغوں سے روشن وہ کیا ہوئے
ہر وقت جن کا چشم تھا مسکن وہ کیا ہوئے
جن گل رُخوں سے بزم تھی گلشن وہ کیا ہوئے
جو لعل و دُر تھے زینت دامن وہ کیا ہوئے
جن کی جگہ تھی دل میں مقام ان کا خاک ہے
بَر میں کفن ہے زیر کفن خاکِ پاک ہے
اس کشتِ روزگار میں تخمِ بقا نہیں
اس بحر کے صدف میں دُرِ مدّعا نہیں
اس بوستاں کے پھولوں میں بوئے وفا نہیں
اس بزم کے چراغوں میں نور ولا نہیں
گھر کون سا بسا کہ جو ویراں نہ ہو گیا
گل کون سا کھلا جو پریشاں نہ ہو گیا

(انیسؔ)

کوچ دم بہ دم ہے

سرائے دنیا ہے خوف کی جا، ہر ایک کو کوچ دم بہ دم ہے
رہا سکندر یہاں نہ دارا نہ ہے فریدوں یہاں نہ جم ہے
مسافرانہ ٹکے ہو اٹھو مقام فردوس ہے ارم ہے
سفر ہے دشوار خواب کبتک بہت بڑی منزلِ عدم ہے
نسیم جاگو، کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

سرور عیش و نشاط و عشرت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
جوانی و حُسن و جاہ و دولت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
غرور و تمکین و کبر و نخوت، یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
ملال و رنج غم و مصیبت، یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
اجل ہے استادہ دست بستہ نوید رخصت ہر ایک دم ہے

مثالِ بُت سب کے سب ہیں بے حس یہ دیکھو قہر خدا کی نیندیں
یہ جاگے تھے ابتدا میں کس دن جو سوئے ہیں انتہا کی نیندیں
پڑے ہیں کیسے یہ ہائے غافل چڑھی ہیں سر کس بلا کی نیندیں
نسیم غفلت کی چل رہی ہے اُمنڈ رہی ہیں قضا کی نیندیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

قیامِ عمر دو روزہ جانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
تعلقِ عیش زندگانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر

بہارِ گُل لُطفِ نوجوانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
مآل کارِ جہانِ فانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
جو چار دن ہے وفورِ راحت تو بعد اس کے غم و الم ہے

غرور تمکیں کہاں! کہ بے خود رہا سرودِ مئے فنا سے
تلاش دُنیا و دیں کبھی چھوڑ ہی ہلا نہ مانند قطب جا سے
غرض نہ دیر و حرم سے کچھ ہے نہ کام منعم کی التجا سے
بسانِ دستِ سوال سائل تہی ہوں ہر ایک مدعا سے
نیاز ہے بے نیازیوں میں بغل میں اک صورت صنم ہے

جمائیاں آرہی ہیں پیہم غنودگی کا کمال اثر ہے
چڑھی ہوئی ہیں نشے سے آنکھیں بتا رہے ہو کہ درد سر ہے
حواس قائم نہ ہوش برجا کھلے ڈھکے کی نہ کچھ خبر ہے
زبان روکو بہک رہے ہو سر در دوشینہ جوش پر ہے
مئے وصالِ شب تمنا ہر ایک لب سے ابھی بہم ہے

گئے وہ عیش و نشاط کے دن زمان رنج و ملال آیا
شباب نے شیب سے بدل کے عروج گذرا زوال آیا
کئے ہوئے سے ہوئی ندامت تو پھر کیا کیا خیال آیا
یہ مصرعِ مخبرِ حقیقت پسند ہم کو کمال آیا
نسیم جا گو کمر کو باندھو اُٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

(نسیم دہلوی)

بھکاری

جب شام کی سیاہی آجائے آسماں پر
اک کالی کالی چادر چھا جائے ہر مکاں پر

جب رات ہو اندھیری چھائی ہوئی گھٹا ہو
بجلی چمک رہی ہو بادل گرج رہا ہو

جب گھر کے روزنوں سے بوچھار مینھ کی آئے
طوفان زور پر ہو باہر کوئی نہ جائے

سب لوگ جب ہوں بیٹھے دروازے بند کر کے
بچّے دبک گئے ہوں ماں کی بغل میں ڈر کے

بیٹھی ہوں بیوہ مائیں بچّے گلے لگائے
بیٹے جو ہیں سفر میں ان پر نظر جمائے

ہو زور کی لڑائی پانی میں اور ہوا میں
کچھ بھی نہ دے سُنائی پرنالوں کی صدائیں

اس وقت ایک لڑکا کمزور اور لاغر
تم کو دکھائی دے گا پھرتا ہوا سڑک پر

بالکل پھٹے پرانے کچھ چیتھڑے ہیں تن پر
بہتا ہے مینھ کا پانی سوکھے ہوئے بدن پر

بھیگے ہوئے ہیں کپڑے پانی ٹپک رہا ہے
دروازے پر کھڑا ہے حسرت سے تک رہا ہے

یہ وقت رات کا ہے اور رات ہے ڈرانی
اس وقت تم کو اس پر لازم ہے مہربانی

اے پیارے ننھے بچّو بیٹھے ہو تم گھروں میں
خوش ہو رہے ہو کیسے دنیا کی نعمتوں میں

اپنے سے کچھ بچا کر دے دو اسے نوالا
خوش تم پہ اس سے ہوگا اللہ دینے والا

(حفیظ جالندھری)

تہذیبِ نَو

جواب حال دنیا ہے ناگفتنی ہے　　جو اب رنگ عالم ہے نادیدنی ہے
اِدھر دین و ملّت پہ خندہ زنی ہے　　اُدھر ظلمتِ حرص و کبر و منی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

بظاہر بنی ہے بباطن ٹھنی ہے　　بہ لب دوستی ہے بہ دل دشمنی ہے
زباں پر ثنا قلب میں بدظنی ہے　　پسِ پشت غیبت ہے طعنہ زنی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

صفائیِ پوشاک و تن دیدنی ہے　　مگر رُوح آلائشوں میں سَنی ہے
خمیدہ ہے سر دل میں کبر و منی ہے　　شریفانہ صورت ہے سیرت دَنی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

بس اب گولہ باری ہے بم افگنی ہے　　دنا دَن ہے ہر سو ٹھنا ٹھن ٹھنی ہے
جہاں جائیے ہَول ہے سنسنی ہے　　بس ایک عرصۂ حشر دنیا بنی ہے
یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

اگر چین و جاپان میں باہم ٹھنی ہے
تو فنلینڈ اور روس میں دشمنی ہے
جو انگریز کا پنجۂ آہنی ہے
اسے موڑنے پر تُلا جرمنی ہے

یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

نہ حق سے غرض کچھ نہ تہذیب سے مطلب
اگر ہے تو بس اپنے مطلب سے مطلب
جو تھا اپنا مطلب تو تھا سب سے مطلب
پھری آنکھیں پورا ہوا جب سے مطلب

یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

اگر نفع ہوتا ہو اپنا ذرا بھی
تو بس پھر روا کذب بھی ہے دغا بھی
کوئی حرص دنیا کی ہے انتہا بھی
جو بس ہو کریں ہضم ارض و سما بھی

یہ تہذیبِ نَو ہے نئی روشنی ہے

(مؤلف)
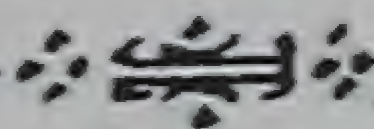
اُلّو اور حضرت سلیمانؑ کا مکالمہ

اُلّو سے سلیمانؑ نے اک روز یہ پوچھا
"کھیتوں میں تو کس وجہ سے دانا نہیں کھاتا"

الّو نے کہا "ڈرتا ہوں اے حضرتِ والا
جنت سے اسی دانے نے آدم کو نکالا"

پوچھا کہ "تو ویرانے میں کیوں رہتا ہے دن رات
آباد مقاموں کی بُری لگتی ہے کیا بات؟"

کہنے لگا "یکساں ہیں یہ دنیا کے مواطن
معمور بھی ہو جائیں گے ویرانے کسی دن"

پوچھا کہ "تو ویرانے میں کیا کہتا ہے اکثر
جو کچھ ترا مفہوم ہے وہ ہم سے بیاں کر"

بولا "مری تقریر میں یہ راز نہاں ہیں
جو رہتے تھے ان محلوں میں وہ آج کہاں ہیں؟"

پوچھا کہ "تو آبادیوں میں کیوں نہیں آتا"
بولا "ستم انسان کا دیکھا نہیں جاتا"

پوچھا "ہمیں سمجھا دے ذرا اسکو وہ کیا ہے
جو کچھ کہ نشیمن میں ترے تیری صدا ہے"

بولا کہ "نشیمن میں یہ ہے میرا ترنم
چلنا ہے تمہیں غافلو ہشیار رہو تم"

تم زادِ سفر ساتھ میں لو تا حدِ مقدور
بے فکر نہ ہو منزلِ مقصد ہے بہت دور

(عبدالباری آسی)

ماتمِ شباب

آخر ہوا شباب وہ دولت نہیں رہی
لو صبح ہو گئی شب عشرت نہیں رہی

پچھلے کی چاندنی ہیں یہ سر کے سفید بال
جاڑوں کی دھوپ ہیں وہ حرارت نہیں رہی

سیماب کشتہ ہو گیا کافور شیب سے
بے چین دل وہ شوخ طبیعت نہیں رہی

سکتہ میں بھی نہ آئینہ دکھلائیں چارہ گر
اب کوئی منھ دکھانے کی صورت نہیں رہی

دل کو سنبھالے رہتے تھے پہلے ہیں اور اب
خود کو سنبھالنے کی بھی طاقت نہیں رہی

مانندِ ابر گو کہ سراپا بخار ہیں
مانند برق نبض میں سرعت نہیں رہی

وہ انتظار وصل کی شب کا گزر گیا
وہ بے قراری شب فرقت نہیں رہی

ماتم ہی ہم شباب کا کرتے تمام عمر
مجبور ہیں کہ ہاتھ میں طاقت نہیں رہی

ہے کچھ دنوں کا ذکر کہ جینے کی تھی بہار
لیکن اب اس چمن میں طراوت نہیں رہی

ہے کچھ دنوں کا ذکر کہ شیریں بہت تھی زیست
لیکن اب اس شکر میں حلاوت نہیں رہی

ہے کچھ دنوں کا ذکر کہ تھی رُخ پہ آب و تاب
لیکن اب آئینہ میں وہ طلعت نہیں رہی

گفتار میں مزہ ہے نہ رفتار میں ادا
باقی وہ بول چال میں لذت نہیں رہی

اب یہ فروتنی، یہ تواضع، یہ انکسار
وہ نخوتیں وہ شان وہ شوکت نہیں رہی

جاتا رہا شباب رہا غم شباب کا
باقی رہا عذاب، قیامت نہیں رہی

(علی حیدر طباطبائی)

نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

یہ موجودہ طریقے راہئِ ملکِ عدم ہوں گے
نئی تہذیب ہو گی اور نئے ساماں بہم ہوں گے

نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہوں گے

بدل جائے گا اندازِ طبائع دورِ گردوں سے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہوں گے

نہ پیدا ہو گی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہوں گے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہوں گے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے

بہت ہوں گے مغنّی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اسلئے بے تال و سم ہوں گے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہو گی
لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہوں گے

کسی کو اس تغیّر کا نہ حِس ہو گا نہ غم ہو گا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے

تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

(اکبر)

نئی روشنی

نہ تسبیح اب دیکھتے ہیں نہ مالا — پیالہ ہے اب ہاتھ میں یا نوالا
جو خالق سے رشتہ تھا وہ توڑ ڈالا — نہیں کوئی اب نام حق جپنے والا

تیرا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو باہم بڑی یاریاں ہیں — دلوں کو ٹٹولو تو بیزاریاں ہیں
جو اب یاریاں ہیں وہ عیاریاں ہیں — کہ در پردہ کیا کیا ستم گاریاں ہیں

تیرا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بھروسہ نہیں اب جہاں میں کسی کا — کہ اب دور دورہ ہے بس پالسی کا
نہ غم بے بسی کا نہ غم مفلسی کا — جو رونا ہمیں ہے تو رونا اسی کا

تیرا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

دغا مکر حرص و ہوا دل کے اندر — حسد بغض کبر و ریا دل کے اندر
نہیں اس زمانہ میں کیا دل کے اندر — نہیں ہے تو خوف خدا دل کے اندر

تیرا اے نئی روشنی منھ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو ہر شے میں بیحد صفائی　　مگر دل میں ہے گندگی انتہائی

کبھی اس کے دھوکے میں آنا نہ بھائی　　یہ ہے سب بُرائی یہ ہے سب بُرائی

تیرا اے نئی روشنی منھ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

غضب ہے یہ تہذیبِ نو کی وبا بھی　　ہر اک مبتلا ہے بُرا بھی بھلا بھی

کوئی آخر اس کے اثر سے بچا بھی　　کہ چھوٹا نہ مجذوب سا باخدا بھی

تیرا اے نئی روشنی منھ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

(مؤلف)

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

ہر چیز میں عکسِ رخِ زیبا نظر آیا — عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

تو کب کسی طالب کو سراپا نظر آیا — دیکھا تجھے اتنا جسے جتنا نظر آیا

کیں بند جب آنکھیں تو مری کھل گئیں آنکھیں — کیا تم سے کہوں پھر مجھے کیا کیا نظر آیا

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے — تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

سب دولت کونین جو دی عشق کے بدلے — اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا

ناکام ہی تا عمر رہا طالبِ دیدار — ہر جلوہ تیرا بعد کو پردہ نظر آیا

سب تشنہ ہیں معلوم ہوا بحرِ محبت — صحرا تھا مگر دور سے دریا نظر آیا

جو دور نگاہوں سے سرِ عرشِ بریں ہے — وہ نور سرِ گنبدِ خضرا نظر آیا

مجذوب کے جذبہ کی جو سمجھے نہ حقیقت
اُن عقل کے اندھوں کو یہ سودا نظر آیا

(مؤلف)
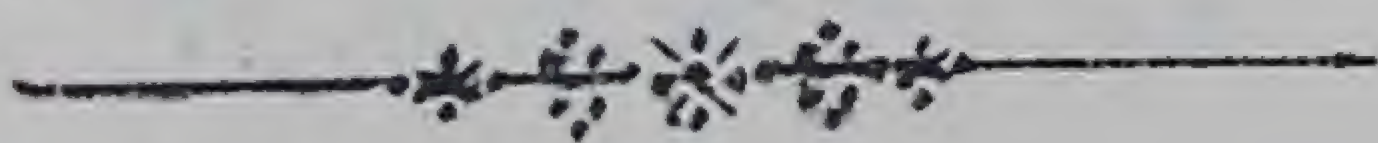
سدا رہے نام اللہ کا

نے خاص نہ دنیا میں کوئی عام رہے گا — نے صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہے گا — شادی نہ غمِ گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش نہ دُکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور — یا کشف و کرامات میں ہے صاحبِ مقدور
یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور — اک دم میں پلک مارتے ہو جاویں گے سب دور
مستور نہ مشہور نہ گمنام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار — سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آ کے فنا سر کے اوپر مارے ہے اک وار — اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے اُس پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو — دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو — اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیرو

نے ملک نہ دولت کا سر انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر ایک چیز کا زر دام
آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہیئے کر لیجئے بیوپار
پھر جنس نہ دلّال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول
یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول
آجاوے گی جب باد خزاں ان کے اوپر بھول
ہر خار کی ہر پھول کی اڑ جاوے گی سب دھول
نہ زرد نہ سُرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی
آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصّہ کہ کہانی
کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(نظیرؔ)

فقیر کی صدا

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا　　دکھ اس پہ ترا روح بہت پائے گی بابا
ہر کھانے کو اور پینے کو ترسائے گی بابا　　دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آئے گی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوائے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی　　چڑھتی ہے پہاڑوں پہ صدا ناؤ سخی کی
تو نے جو بخیلی سے اگر جمع بھی کر لی　　تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آئے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں اب پھولے ہے جوں گل　　مردود بھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول　　زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خندی ترے ساتھ نہیں جائے گی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا　　ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اس پہ کوئی ہاتھ دھرے گا　　وہ ناچ نرا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا

اسکی تو وہاں ڈھولک مردنگ بجے گی　　اور روح تری یاس سے مرقد میں جلے گی
وہ کھائے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی　　تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی

ایسا ہی تجھے گور میں تڑپائے گی بابا

جائے گا تری گور کی جانب کو وہ ناگاہ ساقی و صراحی و پری زاد کے ہمراہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ جب دیکھے گا سو عیش میں تو اُسکے تئیں آہ

کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہرائے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
شیشے میں اُتروا کے تجھے دیویں گے گڑوا یاں خوب سا ئلگا کے کوئی ہار و فلیتا

دھونی تجھے دن رات یہ دلوائے گی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام اس کام کا آخر کو برا ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیوےگا دشنام زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیکاریں ترے نام پہ لگوائے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب تو یہ باتیں تجھے ہر آن گر مرد ہے عاقل تو اِسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان جیسا ہی اسے اس نے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو یہ دکھلائے گی بابا

(نظیر اکبر آبادی)
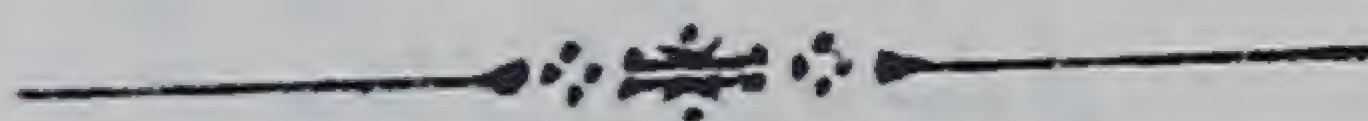
آنی جانی

عدم سے بشر آئے گا ایک دن   زمانہ کہے گا اسے نیک دن
لڑکپن کے دن ہوں گے شاہی کے دن   محبّت کے دن بے گناہی کے دن
خوشی ان دنوں نور برسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

پھر آئے گا مدہوش کرنے شباب   رہے گا خیال شراب و کباب
کبھی جوشِ مستی کبھی نوش خواب   نہ فکر ثواب و نہ خوف عذاب
گھٹا دل پہ پندار کی چھائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

سپاہی جواں مرد کہلائے گا   لڑائی میں زخمِ گراں پائے گا
غش آئے گا سیر وں لہو جائے گا   کراہے گا تڑپے گا چلائے گا
قضا بوند پانی کو ترسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

بشر ہوگا عالم میں ذی احتشام   بڑھے گی لیاقت سے شہرت تمام
رہے گو نہ شہرت بھی اس کی مدام   کہ شہرت کو بھی یاں نہیں ہے قیام

یہ شہرت نیا رنگ چمکائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ
توانائی کا ہو گا پژمردہ پیڑ
لگائے گا اسپ جوانی کو ایڑ
نقاہت کرے گی قواؤں کو چھیڑ
طبیعت اس آفت سے گھبرائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

بڑھاپے سے ہو گا بڑا انقلاب
نہ ہو گی دلیری نہ ہو گا شباب
ضعیفی کرے گی کل اعضا خراب
یہاں تک کہ جینا بھی ہوگا عذاب
اجل چیل سی سر پہ منڈلائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

مرض موت کا جب اٹھائے گا سر
دوا کر کے ہاریں گے کل چارہ گر
بگڑ جائے گا کھیل یہ سر بسر
بن آئے گی بیمار کی جان پر
بڑی سختیاں نزع دکھلائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

(طالب بناری)

سوزِ حسرت

ہوائے الحاد رنگِ ملّت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے

ہمیں نے ور اس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چُپ جو کوئی بولا
ہمیں ہے اب خود تردّد اس کا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزّتِ قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگِ وعظِ مذہب
قلوب شیطاں کے تبّع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

اگرچہ چین باخبر ہیں ہر جا نہیں ہے چرچوں میں اس کا چرچا
ہمیں نے سمجھا ہے عہد اس کو اسی میں اب نسل پل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اس پہ بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے

ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھٹتی نہیں ہیں ہماری بدیاں
بلائیں آئیں اور آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبانِ اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے رازِ سوزِ حسرت
وہ شمع اس کو بیاں کرے گی جو گورِ سید پہ جل رہی ہے

(اکبر حسین اکبر)

بنائے ملّت

بنائے ملت بگڑ رہی ہے، لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں، گویا اُبھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں، اُدھر ہیں کچھ مرشدان خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رُو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملّت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے الحاد اُٹھ رہی ہے، خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا سینہ پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
خیال مسٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن، رُکا ہے ملحد کا آپریشن
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزتِ بشپ ہے
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جنابِ اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

(اکبر حسین اکبر)

اُلفتِ دین

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہا وہ مکیں نہ رہے

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی نہ عزیزوں میں لطف کی خو وہ رہی
نہ حسینوں میں رنگ وفا وہ رہا، کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے در دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ بٹھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لئے غمِ ملّتِ اُلفتِ دیں نہ رہے

(اکبر الہ آبادی)

انگریزی فیشن والے

رہا وہ جرم کہ جیسے چڑ گئی ہے انگریزی — سو واں خدا کی ضرورت نہ انبیا درکار
وہ آنکھ میچ کے برخود غلط بنے ایسے — کہ ایشیا کی ہر اک چیز پر پڑی دھتکار
جو پوششوں میں ہے پوشش تو بس دریدہ کوٹ — سواریوں میں سواری تو دُم کٹا رہوار
جو اردلی میں ہے کتا تو ہاتھ میں اک بید — بجاتے جاتے ہیں سیٹی سُلگ رہا ہے سگار
وہ اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں جنٹلمین — اور اپنی قوم کے لوگوں کو جانتے ہیں گنوار
نہ کچھ ادب ہے، نہ اخلاق، نے خدا ترسی — گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار
وہ اپنے زعم میں لبرل ہیں یا رڈیکل ہیں — مگر ہیں قوم کے حق میں بصورت اغیار
نہ انڈین میں رہے وہ نہ وہ بنے انگلش — نہ ان کو چرچ میں آنر نہ مسجد و مینار
ہے استفادہ مکالے سے جن کو انشا میں — قلم کے زور سے بنتے ہیں قوم کے غمخوار
جو ہے بھی کوئی تو لاکھوں میں ایک آدھ ایسا — کہ تیر درد ہوا ہے جگر میں جس کے دوسار
وگرنہ کس کو یہ غم ہے؟ کہ میری پیاری قوم — ہوا ہے زرد یہ کیوں تیرا چہرۂ گلنار
یہ تیرے پھول سے بنڈے پہ کیوں ہے میل کچیل؟ — یہ تیرے چاند سے مکھڑے پہ کیوں ہے گرد و غبار؟
کدھر ہے تیری طبیعت؟ کہاں ہے تیرا دل؟ — خموش کیوں ہے؟ یہ تیرے لب شکر گفتار
اٹا ہے خاک سے کیوں؟ تیرا دامن دولت — چبھے ہیں کیوں ترے تلوے میں مفلسی کے خار؟
کہاں ہے وہ تری عزت کا گوہر رخشاں؟ — کہاں ہے وہ تری حشمت کا خلعت زرتار؟

تری معاش کی کشتی ہوئی ہے طوفانی
نہ بادباں ہے نہ لنگر نہ ڈانڈ نے پتوار

ہوا ہے گلشنِ اخلاق جل کے خاکستر
چلی ہے کب سے یہ ایسی سموم آتشبار

بجائے سنبل و ریحاں کے اٹھ رہا ہے دھواں
بجائے پھول کے شعلہ، عوض کلی کے شرار

یہ تیرے علم کا دار الجلال کیوں ہے خراب
چھتوں پہ گھاس۔ تو ٹوٹے ہوئے در و دیوار

ترے مرض کی یہاں تک پہونچ گئی نوبت
کہ تیرے حال پہ روتے ہیں یار اور اغیار

رسوم بد نے ترے ہاتھ پاؤں جکڑے ہیں
فضولیوں نے ترا کر دیا ہے سینہ فگار

تری مرک نے پنپنے دیا نہ تجھ کو حیف!!
تری اٹک سے تری ناؤ جا پڑی منجدھار

وہ اہل فضل کے تھے افتخار ہندوستاں
اب ان کی نسل کو دیکھو تو ہے وہ ٹھیٹ گنوار

وہ جن کے نام سے نامی تھے شہر اور قصبات
گداگری میں ہے مصروف ان کا خیل و تبار

وہ دودمان امارت کے تھے جو چشم و چراغ
اب ان کے ہاتھ میں ڈھولک ہے یا بغل میں ستار

جو منتخب تھے نجابت میں اور شرافت میں
اب اُن کی آل کو دیکھو تو سخت بدکردار

یہ ہانکتے ہیں جو گاڑی کسی مہاجن کی
انھیں کے مورث اعلیٰ تھے صوبہ دار بہار

ہے آج ٹکڑے کو محتاج انکی ذرّیّت
کہ جن کی دھاک تھی سلہٹ سے لیکے تا قندھار

امارت اپنی امیروں نے قرض میں کھو دی
عوض میں دس کے دئے سو، تو سو کے ایک ہزار

بہت سے بن گئے عیاش ہو گئے برباد
بہت سے بن گئے اوباش کھیلتے ہیں قمار

قمار میں بھی نہ سیدھا پڑے کبھی پانسہ
یہاں بھی خوبی قسمت سے جائیں بازی ہار

میں کیا کہوں کہ وہ بھرتے ہیں کسکی چلمیں آج
یہ کل جو پھرتے تھے چھیلا بنے سر بازار

وہ آج کرتے ہیں فاقے جو تھے بڑے ٹلکی
نہ گھر میں گیہوں کے دانے نہ باجرا نہ جوار

ہے ٹھیکرا وہی روٹی کا پیرزادوں کی — جو گاؤں ہے کوئی باقی بطور وقفِ مزار
ہوئی تمام بتدریج منتقل جاگیر — کہ جیسے روم کے قبضہ سے صوبۂ بلغار
نہ کوئی علم نہ صنعت، نہ کچھ ہنر نہ کمال — تمام قوم کے سر پر سوار ہے ادبار
اگرچہ نشو و نما پا رہی ہے آزادی — کھلا ہے امن و حفاظت کا قیصری دربار
اگرچہ ملک میں علم و ہنر کا ہے چرچا — حصول عزت و دولت کا گرم ہے بازار
ہر ایک قوم میں گھوڑ دوڑ ہے ترقی کی — درست ساز و یراق اور وردیاں تیار
لگا کے شوق کا ہنٹر، امنگ کی مہمیز — سمند جہد کو سرپٹ اڑا رہے ہیں سوار
ہیں ان کا رخشِ طلب دوڑ دھوپ میں آندھی — بہت فراخ ہے میداں، زمین ہے ہموار
اور ان کے ناقۂ ہمت کی ہیں ڈگیں لمبی — اب ان کو طے مراحل نہیں ہے کچھ دشوار
پلٹ گیا ہے زمانہ بدل گئی ہے رُت — نمو کا وقت ہے اور ابتدائے فصلِ بہار
نہیں بعید کہ ہو جائیں ایک سب جل تھل — برس رہا ہے ترقی کا ابر گوہر بار
ہر ایک زاغ نے سیکھا ترانۂ بلبل — بھنبیریوں نے اُڑائی نوائے موسیقار
غرض کہ سب ہیں صلاح و فلاح کے جویا — دیا ہے ولولۂ شوق نے دلوں کو اُبھار
زمانہ چونک پڑا ہے۔ پر اے مسلمانو! — جھنجوڑنے سے بھی ہوتے نہیں ہو تم بیدار
نہیں ہو فہم و درایت میں تم کسی سے کم — مگر چہ کار کند شیرِ شرزہ در بُنِ غار

اور ایسا غار کہ بالکل جہاں اندھیرا گھُپ
پھر اس میں شیر مرے یا جئے بدون شکار

(اسمٰعیل)

آدمی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہی سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب غوث ولی آدمی ہوئے　　منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے　　حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہی سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا　　شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا　　یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہی سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور　　یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور　　شیطاں بھی آدمی ہی جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں　　بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں　　اور آدمی ہی انکی چراتے ہیں جوتیاں

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی ۔ اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی ۔ چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال ۔ اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال ۔ سچّا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ ۔ قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ ۔ دوڑے ہیں آدمی ہی مشعالیں جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہے بولے ہے بار بار ۔ اور آدمی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقّہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار ۔ کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا ۔ اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی ”لو“ کوئی کہتا ہے ”لا رے لا“ ۔ کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور ۔ اور آدمی ہی دیکھ انہیں بھاگتے ہیں دور

چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور   یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پچھڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا   اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا   گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں   روپے کے انکے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھکتے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں   کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑے لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار   نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار   سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا وزیر   ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر   اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(نظیر)

نصائح

راہبر اور راہزن

جو مناسب وقت پر ہوتا نہیں — کام وہ پھر عمر بھر ہوتا نہیں
وقت ہو کچھ کر گزرنے کا جہاں — کہنے سننے سے اثر ہوتا نہیں
سنتے ہیں سب اور نہیں غیرت ذرا — دیکھتے ہیں اور حذر ہوتا نہیں
ابر نیساں کا کرم جبتک نہ ہو — یوں کبھی قطرہ گُہر ہوتا نہیں
خوشہ یوں آتے نہ دیکھا تاک میں — نخل ہرگز بارور ہوتا نہیں
محو ہوتے جاتے ہیں آثار دیں — حیف ہے کوئی خبر ہوتا نہیں
ہر جگہ آتا ہے عبرت کا مقام — سرسری اپنا سفر ہوتا نہیں
مصلحانِ قوم سے ملّت کا کام — کچھ تو ہوتا ہے مگر ہوتا نہیں

ہم نہ سمجھے دوست دشمن کون ہے
راہبر ہے کون، رہزن کون ہے

(طبا طبائی لکھنوی)

شکر گزاری

شاخیں جس طرح سے شجر کی — کرتی ہیں جڑوں سے جذب پانی
ہو کر تر و تازہ، پھر جو دیکھو — واپس کر دیتی ہیں اسی کو
یا جیسے سمندروں کا پانی — پی پی کے سحابِ آسمانی
برساتے ہیں بیشمار قطرے — پانی وہی دیکھو پھر سمٹ کے
دریاؤں کے راستے مکرر — گرتا ہے سمندروں کے اندر
دل، شکر گزار آدمی کا — اُس کا بھی یہی ہے ٹھیک نقشا
محسن سے جو نفع ہے اُٹھاتا — یعنی جو کچھ ہے فیض پاتا
ہے اس کا یہ اعتراف پیہم — کرتا رہتا ہے شاد و خرّم
احسان ہی کے معاوضے پر — رہتی ہے نگاہ اُس کی یکسر
محسن کو جو فائدے ہوں حاصل — خوش ہوتا ہے، اُس کا باوفا دل
خندہ روئی کے ساتھ ہر آں — کرتا ہے قبول اسکے احساں
محسن سے اپنے، اک عقیدت — اس کے دل میں، نظر میں عزت
حدِّ امکاں سے ہے جو باہر — احساں کا معاوضہ، تو اکثر
رہتا ہے، ادائے شکر سے شاد — رکھتا ہے، مہربانیاں یاد
دل سے کرتا نہیں فراموش — احساں، محسن کا اپنے حق کوش

(صفی)

مراقبۂ موت

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ بہر سرافگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو نے منصب بھی کوئی پایا تو کیا گنج سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصر عالیشان بھی بنوایا تو کیا دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قیصر اور اسکندر و جم چل بسے زال اور سہراب و رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم چل بسے سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے
پیل تن کیا کیا پچھاڑے موت نے سرو قد قبروں میں گاڑے موت نے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کوچ ہاں اے بیخبر ہونے کو ہے   تابکے غفلت سحر ہونے کو ہے
باندھ لے توشہ سفر ہونے کو ہے   ختم ہر فردِ بشر ہونے کو ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نفس اور شیطاں ہیں خنجر در بغل   وار ہونے کو ہے اے غافل سنبھل
آنہ جائے دین و ایماں میں خلل   باز آ ہاں باز آ اے بد عمل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفعتہً سر پر جو آپہونچی اجل   پھر کہاں تو اور کہا دار العمل
جائے گا یہ بے بہا موقع نکل   پھر نہ ہاتھ آئے گی عمرِ بے بدل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تجھ کو غافل فکر عقبیٰ کچھ نہیں   کھا نہ دھوکہ عیش دنیا کچھ نہیں
زندگیِ چند روزہ کچھ نہیں   کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن　　قبر میں ہوگا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن　　اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سب کے سب ہیں رہروکوئے فنا　　جا رہا ہے ہر کوئی سوئے فنا
بہہ رہی ہے ہر طرف جوئے فنا　　آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار　　دل لگا اس سے نہ غافل زینہار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گزار　　ہوشیار اے محوِ غفلت ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہ لطف و عیش دنیا چند روز　　ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز
دارِ فانی میں ہے رہنا چند روز　　اب تو کر لے کارِ عقبیٰ چند روز

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عشرتِ دنیائے فانی ہیچ ہے　　ہیشِ عیشِ جاودانی ہیچ ہے
مٹنے والی شادمانی ہیچ ہے　　چند روزہ زندگانی ہیچ ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم　　چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بہ دم
سانس ہے اک رہرو ملک عدم　　دفعتہً اک روز یہ جائے گا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور　　جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
زندگی اک دن گزرنی ہے ضرور　　قبر میں میت اترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آنیوالی کس سے ٹالی جائے گی　　جان ٹھہری جانیوالی جائے گی
روح رگ رگ سے نکالی جائے گی　　تجھ پہ اکدن خاک ڈالی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

توسن عمر رواں ہے تیز رو　　چھوڑ سب فکریں لگا مولیٰ سے لو
گندم از گندم بروید جو ز جو　　از مکافات عمل غافل مشو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزمِ عالم میں فنا کا دور ہے — جائے عبرت ہے مقامِ غور ہے
تو ہے غافل یہ ترا کیا طور ہے — بس کوئی دن زندگانی اور ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سخت سخت امراض گو تو سہہ گیا — چارہ گر گو سخت جاں بھی کہہ گیا
کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا — اک جہاں سیلِ فنا میں بہہ گیا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لاکھ ہو قبضہ میں تیرے سیم و زر — لاکھ ہوں بالیں پہ تیری چارہ گر
لاکھ تو قلعوں کے اندر چھپ مگر — موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

زور یہ تیرا نہ بل کام آئے گا — اور نہ یہ طولِ امل کام آئے گا
کچھ نہ ہنگامِ اجل کام آئے گا — ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سرکشی زیرِ فلک زیبا نہیں — دیکھ جانا ہے تجھے زیرِ زمیں
جب تجھے مرنا ہے اک دن بالیقیں — چھوڑ فکرِ این و آں کر فکرِ دیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بھر غفلت یہ تری ہستی نہیں | دیکھ جنت اسقدر سستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے یہ بستی نہیں | جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش کر غافل نہ تو آرام کر | مال حاصل کر نہ پیدا نام کر
یادِ حق دنیا میں صبح و شام کر | جس لئے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مال و دولت کا بڑھانا ہی عبث | زائد از حاجت کمانا ہی عبث
دل کا دنیا سے لگانا ہے عبث | رہ گزر کو گھر بنانا ہے عبث

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش و عشرت کیلئے انساں نہیں | یاد رکھ تو بندہ ہے مہماں نہیں
غفلت و مستی تجھے شایاں نہیں | بندگی کر تو اگر ناداں نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حُسنِ ظاہر پر اگر تو جائے گا　　عالمِ فانی سے دھوکہ کھائے گا
یہ منقّش سانپ ہے ڈس جائے گا　　رہ نہ غافل یاد رکھ پچھتائے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفن خود صدہا کئے زیرِ زمیں　　پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقیں
تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی غافل نہیں　　کچھ تو عبرت چاہیئے نفسِ لعیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یوں نہ اپنے آپ کو بیکار رکھ　　آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیر حق سے قلب کو بیزار رکھ　　موت کا ہر وقت استحضار رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سمجھ ہرگز نہ قاتل موت کو　　زندگی کا جان حاصل موت کو
رکھتے ہیں محبوب عاقل موت کو　　یاد رکھ ہر وقت غافل موت کو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ترک اب ساری فضولیات کر　　یوں نہ ضائع اپنی تو اوقات کر
رہ نہ غافل یادِ حق دن رات کر　　ذکر و فکرِ ہادمِ اللذات کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تری مجذوب حالت اور یہ سِن   ہوش میں آ اب نہیں غفلت کے دن
اب تو بس مرنیکے دن ہر وقت گِن   کس کمر درپیش ہے منزل کٹھن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تری پیرانہ مستی تابکے   یہ تری شہوت پرستی تابکے
یہ ترا گھر اور گرہستی تابکے   تابکے یہ تیری ہستی تابکے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کر نہ تُو پیری میں غفلت اختیار   زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
حلق پر ہے موت کے خنجر کی دھار   کر بس اب اپنے کو مُردوں میں شمار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(مؤلف)

علم و ہنر کی ترغیب

خدا نے جو یہ کارخانہ بنایا ۔ اور آدم کو اس سرزمیں پر بسایا
اُسے ساری مخلوق پر برتری دی ۔ اور افواج عالم کی کل افسری دی
قوی تر ہیں مخلوق کی کتنی قسمیں ۔ مگر اسکی سی عقل و دانش ہو کس میں
بہ ظاہر یہ کمزور ہے ناتواں ہے ۔ ولے اس کا منقاد سارا جہاں ہے
ازل میں جو علمی شرافت ملی ہے ۔ اسی پر سے اس کو خلافت ملی ہے
طلب ہو اور اس پر سے توفیق رہبر ۔ تو ہر اک خرابے میں ہیں گنج مضمر
ہزاروں برس عمر دنیا کی آئی ۔ کسی نے نہ کچھ تھاہ قدرت کی پائی
زمیں فی المثل اک خدا ساز گھر ہے ۔ مزین ہے آراستہ سر بسر ہے
ضرورت کے کل ساز و سامان ہیں اس میں ۔ ہم اُترے ہوئے مثل مہمان ہیں اس میں
بجز اپنے کس کی شکایت کریں ہم ۔ خدا میزباں اور بھوکوں مریں ہم
بہم اس نے الوان نعمت کئے ہیں ۔ یہاں بدنصیبی نے منہ سی دئے ہیں
خدا جو نقائص سے پاک اور بری ہے ۔ ہر اک کام میں اسکی دانش وری ہے
وہ چیزیں ہیں جنکی ہے سخت حاجت ۔ مہیا و موجود ہیں بے مشقت
ہوا سانس لینے کو پینے کو پانی ۔ مگر ہم نے کچھ قدر ان کی نہ جانی
تجمل تکلف کے اسباب سارے ۔ کسی کو نہیں ملتے بے منہ پسارے

سر سبز اقسام کھانے لگائے — اجازت ہوئی جسکو جو بھائے کھائے

نہ کچھ انتہا پائی عقل رسا نے — خدا ہی خود اپنے خزانوں کو جانے

مگر آدمی زاد تعلیم پا کر — پہنچتا ہے ان تک سرنگیں لگا کر

تو وہ زندگی میں مزے کر رہا ہے — زمانے کو جو وہ کہے کر رہا ہے

سلیماں ہے اور ہوا اسکے بس میں — عناصر کے جنات اسکے قفس میں

وہ خاصیتِ عرض و جوہر سے واقف — ہے فی الجملہ اسرار نیچر سے واقف

خلافت اُسے وہ خلافت کو شایاں — قیافے سے آثارِ دولت نمایاں

جہاں میں نہیں ذرہ بے کار کوئی — غلط گر کرے اس سے انکار کوئی

جسے جس غرض سے بنایا ہے اس نے — اسے اسکا رستہ دکھایا ہے اس نے

زمیں آسماں، چاند سورج ستارے — کمر بستہ مصروف خدمت ہیں سارے

خدا کی مشیّت کی تکمیل کرنا — اور اس میں جہاں تک ہو تعجیل کرنا

بہرحال بندوں کو شایاں یہی ہے — ق — ہمارا تو بس دین و ایماں یہی ہے

جب اگلوں کا طرز عمل دیکھتے ہیں — عقائد میں اپنے خلل دیکھتے ہیں

بتاؤ تو کس کس سے ہیٹے رہے وہ — اگر پاؤں پھیلا کے لیٹے رہے وہ

رُخ خوب سے اپنے پردہ اٹھایا — ہر ایک چیز میں علم نے دخل پایا

قفس ہے تو ہو شکر ہے پر کھلے ہیں — ہوا ایک در بند سو در کھلے ہیں

اگر تم کو دنیا میں رہنا ہے یارو — تو اپنی جگہ دل میں سوچو بچارو

کہ تم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ہو
فلک پر سے تحت الثریٰ ہو گئے ہو

اگر بہتری ہو تو تعلیم سے ہو
تو تعلیم گنجِ زر و سیم سے ہو

مگر گنج آئے تو آئے کہاں سے
الٰہی برس جائے ہُن آسماں سے

پر اس عرض کی استجابت نہیں ہے
کہ اللہ کی ایسی عادت نہیں ہے

مجھے اس جگہ اک مثل یاد آئی
کہ کانوں میں آواز فریاد آئی

مسافر کوئی اُترا تھا اک سرا میں
بچھائی الگ چارپائی ہوا میں

نہ سونے دیا رات بھر کھٹملوں نے
رکھا مضطرب صبح تک کروٹوں نے

بہت دق ہوا اور دعا کی خدا سے
کسی طرح مجھ کو بچا اس بلا سے

ولیکن تھے کھٹمل کئی دن کے بھوکے
ستانے سے اور کاٹنے سے نہ چُوکے

مسافر سے جب بات کچھ بن نہ آئی
لگا کہنے بس دیکھی تیری خدائی

کوئی ہاتفِ غیب فرطِ غضب سے
مخاطب ہوا آ کے اُس بے ادب سے

کہ ناشکر بیہودہ کیا بک رہا ہے
عبث آسماں کی طرف تک رہا ہے

تجھے دفعِ موذی کی قدرت ہے حاصل
کر اپنی حفاظت نہ ہو اتنا کاہل

نیایش سے ہوگا نہ پوزش سے ہوگا
جو کچھ ہوگا اپنی ہی کوشش سے ہوگا

بزرگوں پہ نازاں ہو کیا سب کے سب تم
سنا کیا نہ ہوگا "لکم ما کسبتم"

گزرگاہِ دنیا تماشے کی جا ہے
اگر ہست کو نیست کہئے بجا ہے

نہیں مستقر کوئی حالت یہاں کی
ہے پا در ہوا کل عمارت جہاں کی

اگر آج ہے اک جگہ بزمِ شادی
تو کل ہے وہیں ماتمِ نامرادی

حکومت ہے سچی حکومت قلم کی
نہ بندوق و سیف و سنانِ علم کی

خدائی خزانوں کی کنجی قلم ہے
کہ جو حرف لکھتا ہے وہ اک رقم ہے

قلم کا قلم ہے قیامت سے جاری
اسی کی حکومت کو ہے پائداری

مگر علم کی ہمنے طاقت نہ جانی
نہ جانی لیاقت لیاقت نہ جانی

ہنر سیکھتے خوب دولت کماتے
مزے کرتے گھر بیٹھے بغلیں بجاتے

(نذیر احمد)

وقت کا ترانہ

مسافر نہیں ہوں ٹھہر جانے والا　　اِدھر آئے والا اُدھر جانے والا
نہاں ہو کے مشکل نظر جانے والا　　نگا ہوں سے پل میں گذر جانے والا

وہ ہوں آنے والا کہ جو آ کے جائے
وہ ہوں جانے والا کہ جا کر نہ آئے

اگر آج آیا تو کل جانے والا　　میں ہوں ہاتھ آ کر نکل جانے والا
کوئی آن میں ہوں بدل جانے والا　　زمیں پر ہیں سایہ ہوں ڈھل جانے والا

نہ کھو مجھ کو نادان غفلت میں سو کے
جو سوتے ہیں پاتے نہیں مجھ کو کھو کے

وہ دولت ہوں مفلس بنے جو لٹائے　　وہ نعمت ہوں جا کر نہ جو ہاتھ آئے
وہ قسمت ہوں خوش قسمتی سے جو پائے　　جگہ اپنی ہر دل میں انساں بنائے

جو پیارا کہے مجھ کو پیارا وہی ہے
دو عالم کی آنکھوں کا تارا وہی ہے

لڑکپن کو لہو و لعب میں گنوا کر　　جوانی کو غفلت کی نیندیں سلا کر
بڑھاپے کا پھر بوجھ سر پر اٹھا کر　　چلا دو قدم اور گرا لڑکھڑا کر

یہ اس کا نتیجہ ہے جو مجھ کو کھوئے
جو کھوئے مجھے زندگی بھر وہ روئے

خبردار! او بے خبر سونے والے　　جو ہیں سونے والے وہ ہیں رونے والے
متاعِ گراں مایہ کے کھونے والے　　ہیں آخر پشیماں بہت ہونے والے

جو رہرو ہے رہزن سے ہوشیار ہو جا
چلا قافلہ جلد بیدار ہو جا

(شفیق عماد پوری)

فقیر کی صدا

جو عمر کو مفت گنوائے گا
وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا
جو ڈھونڈے گا سو پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا
یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے
جو موقع پا کر کھوئے گا
وہ اشکوں سے منہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا
اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے
یہ دنیا آخر فانی ہے
اور جان بھی اکدن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے
کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جولانی ہے
تو پتھر بھی پھر پانی ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

(سیّد محمد فاروق دیوانہ)

کر دل کے حرم کا طواف سدا

ایمان کہاں جاتا ہے ترا، اس خوف سے ترکِ جام نہ کر
گر پختہ نظر ہو جائے تری، تو دل میں خیالِ خام نہ کر

خالی مے حُبّ وطن سے نہ ہو، یہ جام جو ہے ساقی نے دیا
مجھ مے کش کے دل پر یہ ستم، اے طالع نافرجام نہ کر

پھندے ہیں جو حُسن مجازی کے، بچ ان سے جہانتک ممکن ہو
آزاد ہے مرغِ روح ترا، تو اس کو اسیرِ دام نہ کر

اسرارِ ازل کے فلسفہ کو، سمجھے گی نہ ہرگز عقل تری
پھسلے ہیں قدم عقلوں کے جہاں اس راہ میں تو اقدام نہ کر

ناکامی کام ہے مردوں کا، نامرد ہیں جو کامی ہیں یہاں
ہمت ہے اگر تو دل کو کبھی، جذبات ہوس کا رام نہ کر

جو عیش طلب ہیں عیش ان کا، ہوتا ہے بدل کر طیش سدا
آرام سے ہیں دن کاٹنے گر، تو ایک گھڑی آرام نہ کر

مستور ہے خانۂ دل میں وہی ہیں جس کی تلاش میں یہ حاجی
کر دل کے حرم کا طواف سدا، کعبہ کے لئے احرام نہ کر

(بیکم)

بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گوئیں پلا سر بجارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہی ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا ایک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا راکھ منقے سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

تو بدھیا لاوے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے ہیں جب بھالا مار گرا دے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبہ کام نہ آوے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے تیرے ساتھ لگا دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باری پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی تاج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سے اور ملا نکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ اک تنکا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

(نظیر اکبرآبادی)
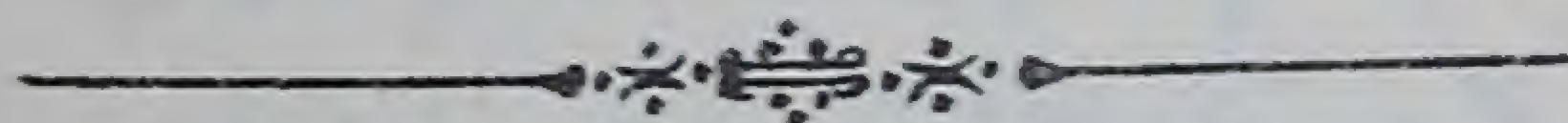
شریف بیبیاں

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو، دُنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھیں، قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو، عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمھاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو سب بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ستونتیو، لے دے کے اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم، غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی عسرت میں عشرت تم سے ہے

آتی ہو اکثر بے طلب، دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنے یہاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

(حالی)

مسلمانوں سے خطاب

مسلمانو! اگر ملت کے ہو تم جاں نثاروں میں
تو پیدا کس لئے ہو زندگی کے کارزاروں میں

تمہارے دل میں بھر دی ہے خدا نے روشنی ایسی
کہ چرچا اس کا رہتا ہے شب روزاں ستاروں میں

رگوں میں ہے تمہاری دوڑتا جو خون غیرت کا
یہ عسرت اور یہ بے تابی نہیں دیکھی شراروں میں

دکھاؤ معرکہ میں زندگی کے دوڑ دھوپ ایسی
کہ ہو ممتاز و نامآور جہاں کے شہسواروں میں

سمندر میں بھی گھوڑے ڈال کر جو بڑھنے والے تھے
تمہارا ہے شمار ان فاتحوں کی یادگاروں میں

تمہارے دل کی بھٹی میں ہیں شعلے عزم صادق کے
لگا دو آگ ظلم و جبر کے خاشاک زاروں میں

تغافل تا بکے یاراں ہہ زیب رنگ باز آید
نشان فتح بر سر از فضائے جنگ باز آید

(سلیم)

درسِ عمل

خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

دردجس دل میں ہو اُس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دُعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں نور جن آنکھوں میں نہیں
میں ان آنکھوں کے لئے نور و ضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اُس آنسو کے سکھانے کو ہوا بن جاؤں

دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

نور سے عیش و مسرت کے وطن کو بھر دوں
غم سے تاریک جو دل ہو اسے روشن کردوں

ہر اندھیرے کے لئے ایک دیا بن جاؤں

غم کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جُھکے جاتے ہیں
ان ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کر دوں
مادرِ ہند کو جنت کا نمونہ کر دوں
گھر کرے دل میں جو افسردہ صدا بن جاؤں

(افسر)

آج

(۱)

اُٹھو! اُٹھو! دن گزر چلا ہے، پڑے ہو کن وسوسوں میں، جاگو
حریف سر جوشن پہن چکے ہیں، نہیں مناسب کہ رن سے بھاگو
جگہ جو ہے معرکے میں خالی، تمھارے ہی انتظار میں ہے
کرو دل و جاں سے اس کو پورا، وہ فرض جو کارزار میں ہے
ہیں شیخ چلّی کے خواب، چھوڑو خیالِ آئندہ و گزشتہ
کہ آج ہے، اور کچھ نہیں ماہ و سالِ آئندہ و گزشتہ

(۲)

اُٹھو! اُٹھو! یہ خیالِ آئندہ چھوڑو، طاری ہے جو دلوں پر
کہ جا کے گھمسان کی لڑائی میں، ہم دکھائیں گے اپنے جوہر
کریں گے یا جا کے ہم کسی دن ہوائی قلعہ کوئی مسخّر
مصاف میں منہ کی کھائے گا ہم سے لاکھ ہو کوئی دیو پیکر
تمھارے آئندہ کارناموں میں ہو گی بے شبہ شانداری
ملے گی توقیر تم کو بیشک، اگر ہے قسمت میں فضلِ باری

مگر نہ پاؤ گے بازوؤں میں تم اپنے قوت، ہے آج جتنی
تمہاری میداں میں پھر نہ ہوگی کبھی ضرورت، ہے آج جتنی

(۳)

اُٹھو! اُٹھو! جو رکاوٹیں ہیں، خیال میں بھی اُنھیں نہ لاؤ
جو روز و شب کل گزر چکے ہیں، تم اپنے دل سے انھیں بھلاؤ
ستم ہے! زنجیرِ یادِ ایام پائے مردانہ پر کڑی ہے
اسیر آج اس کے ہو گئے تم، کہ جس کی بوسیدہ ہر کڑی ہے
ہو خواہ شاداں، ہو خواہ غمگیں، نکال دو پاؤں سے سلاسل
یہ زنگ خوردہ ہیں اور پرانی، تو توڑنا ان کا کیا ہے مشکل!
نگاہ ڈالو نہ مُڑ کے طومارِ کہنہ پر تم کبھی، مگر ہاں
سبق وہ پڑھ لو جو جنگ "امروز" میں ہو جراءت فزائے مرداں

(۴)

اُٹھو! اُٹھو! دن گزر چلا ہے، یہ آتی دھیمی سی جو صدا ہے
صدا یہ دشمن کے کوچ کی ہے، تمہارے سر پر جو آ گیا ہے
کرو نہ ہتھیار تیز کرنے میں دیر ہرگز کہ وقت کم ہے
دگرنہ پھر تم ہو اور سر پر تمہارے وہ وقت پُر الم ہے
کہ آنے والی لڑائی کے خواب سے ہو بیدار جس گھڑی تم
تو یہ سنو پھر، کہ ہو چکی وہ لڑائی، تب ہوش کیوں نہ ہوں گم

(منشی تلک چند محروم)

میل جول

اب ہم میں کہاں اربابِ ہمم
ادبار ہی، نکبت ہے اور ہم

ہنگامہ خودی کا برپا ہے
غوغا نفسی نفسی کا ہے

ایثار و وفا کا نام نہیں
مطلب سے غرض پھر کام نہیں

الفت ہوئی رسمِ پارینہ
ہے اس کی جگہ دل میں کینہ

اگلوں کے چلن ہم بھول گئے
وہ ربطِ کہن، ہم بھول گئے

اخلاقِ نکو بھی کھو بیٹھے
اک ساتھ سبھی کو رو بیٹھے

آپس کی رواداری اٹھی
اُلفت اٹھی، یاری اُٹھی

بدمست مئے پندار ہوئے
دولت کی ترنگ میں خوار ہوئے

مجہول ہوئے، بیکار ہوئے
محکوم ہوئے نادار ہوئے

عیّار ہوئے، مکّار ہوئے
کیا تھے اور کیا سرکار ہوئے!

ہم میں ہیں نکمّے یا کھوٹے
بس نام بڑا، درشن چھوٹے

بیزار نہ ہوں کیوں جینے سے
فرصت ہی نہ ہو جب کینے سے

منزل کی خبر ہے نہ اپنی خبر
معلوم نہیں جاتے ہیں کدھر؟

ہیں خیر کے بدلے مائلِ شر
کرتے ہیں وہی جس میں ہو ضرر

اک دوسرے کے غمخوار نہیں　　وہ چاہ نہیں وہ پیار نہیں
پستی اُن کیسی پستی ہے　　خود پستی ہم پر ہنستی ہے
ہم سا بھی زبون و زار نہ ہو　　مجبور نہ ہو، ناچار نہ ہو

اللہ یہ کیسا وقت آیا
ہم جس کے ہوئے اپنا نہ ہوا

کیوں ہم پہ نہ آفت ٹوٹ پڑے　　آپس میں جب ایسی پھوٹ پڑے
یکجہتی جب مفقود ہوئی　　اور فکر زیان و سود ہوئی
وہ جذب کی طاقت سلب ہوئی　　توفیق ہدایت سلب ہوئی
اب سعیِ عمل مشکور نہیں　　وہ دَور نشاط و سرور نہیں
صد حیف ہم ایسے سوئے گئے　　دن ڈوب گیا اور سوئے گئے
سمجھیں جو یہ کل وَل ٹل جائے　　اب سے آئے، گھر سے آئے
کاش ایسا کوئی شاعر ہوتا　　معجز نہ سہی، ساحر ہوتا
جو لفظوں میں جادو بھر دیتا　　اور مُردوں کو زندہ کر دیتا
مَلتے ہوئے آنکھیں جاگ اُٹھتے　　یہ نیند کے ماتے متوالے
یوں خون رگوں میں رواں ہوتا　　سیلاب میں دھارا گنگا کا
سب گرد کدورت دھو جاتی　　نفرت افسانہ ہو جاتی

پھر بھائی سے بھائی مِل جاتا
بے خوفِ جُدائی مل جاتا

یارب ایسی صورت نکلے　　غفلت بیداری سے بدلے
اس طرح یہ بچھڑے مل جائیں　　غیر ان کی وفا کی قسم کھائیں
ہو دور نفاق اور میل بڑھے　　اک بار منڈھے پھر بیل چڑھے
ہل مل کے رہیں پھر چھوٹے بڑے　　پھر سوکھے دانوں پانی پڑے
پھولوں سے لدی ہر ڈالی ہو　　باغ اپنا ہو، اپنا مالی ہو
خوش وقتی ہو خوش حالی ہو　　تا حدِّ نظر ہریالی ہو
اک دو دِکھ کے آڑے آئیں　　ہوں دور دلدّر، سُکھ پائیں
مٹّی میں رُلی عظمت مل جائے　　پھر کھوئی ہوئی دولت مل جائے
تہذیب کے چشمے پھر اُبلیں　　رسمیں ٹوٹیں، آئیں بدلیں
یہ روپ سنگار وطن کا ہو　　جو تازہ عروس چمن کا ہو

سب اس کے سہاگ کی لاج کریں
کیوں اُٹھ رہے کل پر، آج کریں

(اثر لکھنوی)

خوابِ غفلت

آخر کب تک یہ خوابِ غفلت؟ — اُلٹو تو ذرا نقابِ غفلت

تا چند رہو گے مستِ سرشار؟ — اُٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار

سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟ — کس خواب میں ہو؟ خیال کیا ہے؟

غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے — لو اب تو اُٹھو! سحر ہوئی ہے

کچھ تم کو خبر ہے یا نہیں ہے؟ — کچھ دل پہ اثر ہے یا نہیں ہے؟

دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار — کیوں قید بلا میں ہو گرفتار

ہو گردِ رہِ صفِ پسیں کیوں؟ — اس بزم میں خار ہو تمھیں کیوں؟

کیوں تیرِ ستم کے ہو نشانہ؟ — بگڑا ہے تمھیں سے کیوں زمانہ؟

کس نے تمھیں اوج سے اتارا؟ — اقبال نے کیوں کیا کنارا؟

کیوں بار ہوئے ہو تم زمیں پر — کیوں برقِ ادا گری تمھیں پر؟

کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنس کر؟ — کیا ہے کہ اُجڑ گئے ہو بس کر؟

افلاس میں تم جو ہو گرفتار — بیٹھے ہو جو نقش پا سے بیکار

شکوے ہیں جو بے زری کے تم کو — لالے ہیں جو نوکری کے تم کو

حرفت کو جو کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت

ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو — صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
مدخل جو نہیں کمال میں کچھ — وسعت جو نہیں خیال میں کچھ
افعال جو سخت مبتذل ہیں — تدبیر کے دست و پا جو شل ہیں
رونا ہے تمہیں اب آج جن کا — خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو تھا، وہ ہو چکے ہو
دنیا کے نہ کام کے نہ دیں کے — افسوس! رہے نہ تم کہیں کے
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دُہائی
اب عیش نصیب ہے نہ آرام — گھر گھر میں مچا ہوا ہے کُہرام
برباد پڑے ہیں کارخانے — نکبت نے مٹا دئے گھرانے
رونق کا اثر نہ عیش کی بو — اک خاک سی اُڑ رہی ہے ہر سو
اُمید کے دن کی ہو چکی شام — خورشید اب آگیا لبِ بام

اب وقت اخیر ہے خبر لو
جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو

(شبلی نعمانی)

پندِ سُودمَند

خوبیاں انساں کی جتنی ہیں گر پیدا نہ کر
تو بھی ہو انسان، پھر اس بات کا دعویٰ نہ کر

گر کسی کا عیب ہو معلوم، تو اُس کو چھپا
گر کسی کا راز ہو معلوم، تو افشا نہ کر

آتش افروزی کرے کوئی، کسی کا گھر جلے
ہے جو ہمدردی تجھے، تو دور سے دیکھا نہ کر

ہے غبارِ فتنہ انگیز اس جہاں میں افتراق
بھول کر بھی تو کبھی اس راہ سے گزرا نہ کر

کر نہ دعوائے قناعت سیر ہو جبتک نہ چشم
دل غنی جبتک نہ ہو، اظہار استغنا نہ کر

آنکھ کو تعلیم دے، پاسِ ادب رکھے نگاہ
دل پہ کر قدغن کہ ہر اک بات پر مچلا نہ کر

گوہرِ یکدانہ مطلوب کی گر ہے ہوس
کتنے پانی میں ہے تو اسکا خیال اصلا نہ کر

کرتا ہے مشکل کو مشکل تر وفورِ اضطراب
مرغ زیرک ہے تو آ کر دام میں پھڑکا نہ کر

دیکھ بے گرجے برس پڑتا ہے اکثر ابرِ تر
بخل اگر تجھ کو برسنے میں ہے تو گرجا نہ کر

کہتے ہیں عاقل "ہے از قسمِ جنوں طیش و غضب"
شیر ہے تو، میں نے یہ مانا مگر بپھرا نہ کر

علم و حکمت چاہیئے انسان بننے کیلئے
آرزوئے نعمت دنیا و ما فیہا نہ کر

جو کمالات بشر ہیں چاہیئے حاصل ہوں سب
ہے دلیل نقص ہر گز اس میں استثنا نہ کر

جب حقیقت ہو عیاں اوہام کا دھوکہ نہ کھا
ہو کے غافل صبح صادق کو شب یلدا نہ کر

صاف کر یہ زنگ ہے آئینہ ادراک کا
"ہم کسی سے کم ہیں" دل میں خیال اصلا نہ کر

ساتھ والوں سے پہنچ منزل پر اپنی پیشتر ۔۔۔ تھک کے پیچھے کوئی رہ جائے تو کچھ پروا نہ کر

التفاتِ انقلابِ دہر سب ہیں بے ثبات ۔۔۔ یہ ہے چلتی چھاؤں اسکو دیکھ کر دوڑا نہ کر

ہاتھ کا ہے میل مال و زر کہ آیا اور گیا ۔۔۔ کر کے ہمت پر بھروسہ دل کو تو میلا نہ کر

عقل کر دیتی ہے زائل نعمتِ دنیا کبھی ۔۔۔ خود سے روگرداں اگر ہو جائے تو پیچھا نہ کر

جبکہ ناکامی کا باعث دست و بازو ہوں ترے ۔۔۔ ہے قصور اپنا فلک کا شکوہ بے جا نہ کر

کل جو کچھ ہونا ہے اسکے واسطے آمادہ رہ ۔۔۔ شادیِ امروز کو محوِ غمِ فردا نہ کر

تیرے باطن کو ہے توفیقِ الٰہی سے بھی راہ ۔۔۔ منع وہ جس بات کو کر دے اُسے حاشا نہ کر

ہاتھ فوراً روک لے، باز آ، قدم پیچھے ہٹا ۔۔۔ جب صدا آتی ہو یہ دل سے کہ دیکھ ایسا نہ کر

نظم یہ باتیں گرہ میں باندھ رکھنے کی ہیں سب
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر یا نہ کر

(سید علی حیدر نظم طباطبائی)

نوائے تلخ

وہ ملک ترقی کبھی کر ہی نہیں سکتا
صرف اپنے لئے جیتے ہوں جس ملک کے زردار

جو پرورشِ نفس سے دم بھر نہیں فارغ
بیکس سے ہے مطلب، نہ غریبوں سے سروکار

سکّے ہیں بدل دیتے ہیں جو اپنے خدا کو
وہ مفلسوں کے ہونگے بھلا خاک مددگار

ان کیلئے سامان ہے عشرت کا مہیّا
دہقان سراسیمہ ہے، مزدور ہے بیکار

اترے ہوئے چہروں کا ہر اک نقش کہانی
حلقے پڑے آنکھوں سے عیاں فاقوں کے آثار

وہ عورتیں اُن کی کہ جوانی ہے بڑھاپا
رنگین ہے رفتار، نہ مہکی ہوئی گفتار

پنگھٹ پہ وہ جمگھٹ نہ وہ بولی نہ ٹھٹھولی
آپس کی وہ چہلیں ہیں نہ وہ چھیڑ نہ تکرار

آنکھوں میں چمک اور نہ ہونٹوں پہ تبسّم
یہ حال ہے برسوں کا ہو جیسے کوئی بیمار

چُنری کے عوض چیتھڑے پوشاک ہے جنکی
گیتوں کے عوض ایک خموشی لبِ اظہار

تنگی یہ معیشت کی اور اُس پر یہ مصیبت
اولاد پہ اولاد کا بڑھتا ہوا طومار

یہ رات پہاڑ اور یہ ہوا جاڑے کی ٹھنڈی
تن ڈھکنے کو چادر نہیں اللہ رے ادبار

اس پر بھی ہے یہ مردوں کی غیرت کہ جو دو مفت
مرزائی ہو، کمّل ہو کہ دوہر، کریں انکار

یہ کہہ کے، ملے قرض یارا تو دلا دو
پر بھیک تو لینے کے لئے ہم نہیں طیار

ہاں سچ ہے کہ نادار ہیں، سردی بھی کڑی ہے
کس کام کا سکھ اپنوں سے جب آنکھ نہ ہو چار

سو بار شرف ان کو امیروں پہ ہے واللہ
تیور یہ غریبی میں ہوں جن کے وہ ہیں اوتار

ایسوں کا لہو چوس لیں، ایسے بھی ہیں کچھ لوگ
ایسوں کا گلا گھونٹ دیں، ایسے بھی ہیں غدّار!

کیوں قابلِ عبرت نہ ہو اُس ملک کی حالت
جس کا یہ تمدن ہے، یہ اسلوب، یہ کردار

(اثر لکھنوی)

نوجوان سے خطاب

نفس نفس میں نیا انقلاب پیدا کر
شباب ہے تو بہارِ شباب پیدا کر

جگر کے سوز میں پھر التہاب پیدا کر
ہر ایک داغ سے اک آفتاب پیدا کر

ہر اک حجاب کو جو چیرتی گزر جائے
وہ آنکھ میں نگہ کامیاب پیدا کر

جو آپ مٹ کے مٹا دیں مٹانے والوں کو
وہ مستِ ذوقِ فنا بے حساب پیدا کر

کِھلا سکے نہ ہوائے بہار بھی جس کو
وہ خارِ زارِ خزاں سے گلاب پیدا کر

سُنا رہا ہے عبث داستانِ خواب آور
زمانہ چیخ اُٹھے وہ خطاب پیدا کر

عدو کے سازِ مسرت کو جو فنا کر دے
وہ بیڑیوں سے نوائے رُباب پیدا کر

نظر نظر سے تری بجلیاں برستی ہوں
وہ دل وہ زور وہ رنگِ شباب پیدا کر

جو زندگی سے عبارت ہی انقلاب فقط
تو ہر قدم پہ نیا انقلاب پیدا کر

زمانہ یوں تری فریاد کو نہ سمجھے گا
زبانِ تیغ سے رنگیں خطاب پیدا کر

جو چاہتا ہے تو سالارِ کارواں بننا
قدم میں جرأتِ مستِ شباب پیدا کر

اگر بحکمِ عدو ہو تری زباں بندی
تو خامشی میں مآل خطاب پیدا کر

اندھیریوں کو ضلالت کے جو مٹاتا ہی
اس آفتاب سے پھر انتساب پیدا کر

شہیدِ ملت و دیں کیلئے نہ رو عرشی
جو تجھ سے ہو سکے اُس کا جواب پیدا کر

(عرشی لکھنوی)

حُبّ وطن

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا — نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا — جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

(سر محمد اقبال)

ہمارا وطن

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن چمن زار جنت ہے سارا وطن
ہے دکھ سکھ میں دل کا سہارا وطن ہے آنکھوں میں آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار ہواؤں کا چلنا یہ مستانہ وار
یہ کھیتوں کی سبزی چمن کی بہار یہ پھولوں کا شبنم سے ڈھل کر نکھار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ خاموش اور خوشنما بستیاں کسانوں کے یہ چھوٹے چھوٹے مکاں
یہ سادہ لباس اور پیاری زباں ترقی کی رو سے یہ محرومیاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ گرمی کی شاموں کا پیارا سماں یہ جاڑوں کی راتوں کی خاموشیاں
یہ جھولوں پہ گیتوں کی دل سوزیاں یہ برسات کی ہائے دلچسپیاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ چڑیوں کا گانا چمن در چمن یہ افسرؔ سے شاعر کا دلکش سخن
یہ سنسان جنگل یہ خاموش بن یہ گنگا کی لہروں کا مستانہ پن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

(حامد اللہ افسرؔ)

وطن سے خطاب

مجھے اے وطن! تو ذرا بتا، کدھر اب ہیں وہ تری صنعتیں
جو ہر ایک ملک سے لائی تھیں، ترے پاس کھینچ کے دولتیں

تجھے مفلسی نہ پسند تھی، تری راہ سعی نہ بند تھی
تری ہمّت ایسی بلند تھی کہ نثار اس پہ تھیں ہمّتیں

تری کوششوں سے لگی تھی لَو، اسی لَو سے پھیل رہی تھی ضَو
ہوئے سُست ملک بھی گرم رو، تری دیکھ دیکھ کے محنتیں

تری صنعتوں میں وہ رنگ تھا، کہ فدا ہر اہل فرنگ تھا
جنھیں دیکھ باغ بھی دنگ تھا، وہ ہوئی تھیں ان پہ ریاضتیں

گیا جب بدل وہ ترا چلن، نہ رہا وہ علم ترا نہ فن
گئیں تجھ سے چھن وہ اب اے وطن! جو خدا نے دی تھیں لیاقتیں

ہوئی منتشر وہ تری سبھا، جو ہر اک ہنر سے تھی آشنا
جو ہر ایک علم پہ تھی فدا، ہوئیں ختم جس پہ فضیلتیں

نہ رہا وہ علم کا اب سماں، نہ وہ صنعتوں کا رہا نشاں
نہ رہی وہ دولت شائگاں، ہوئیں دور اب وہ سعادتیں

اگر اب بھی گرم عناں ہو تو، رہ سروری پہ رواں ہو تو
تو پھر افتخارِ جہاں ہو تو، تجھے پھر ملیں وہی عزتیں

اگر اب بھی تیرا بڑھے قدم، ترے سر پہ علم کا ہو علم
وہی جاہ پھر ہو، وہی حشم، وہی دولتیں وہی ثروتیں

اگر اب بھی دوڑ کے چار سو، کرے تازہ صنعتیں اپنی تو
تو بڑھے وہ پھر تری آبرو، کہ ہوں محو ساری یہ ذلتیں

نئی صنعتوں کی بھی لے خبر، کہ ترے چمن میں ہوں سب شجر
تری انگلیوں میں ہوں سب ہنر، تری ارغنوں میں ہوں سب گتیں

یہی آرزو ہے اب اے وطن، کہ شگفتہ پھر ہو ترا چمن
ترا بخت پھر ہو ضیا فگن، تری دور سب ہوں یہ کلفتیں

(سلیم)

بوائے اسکاؤٹس کا گیت

جب دنیا کو کچھ غم ہوں گے، غمخوار جہاں میں کم ہوں گے
دکھ درد کے ساتھی ہم ہوں گے، غم سارے جہاں کا مٹا دیں گے

امداد کی حاجت ہوگی گر، امداد کو جائیں گے گھر گھر
تسکین اداسی میں دے کر، ہم روتوں کو بھی ہنسا دیں گے

گر کام کوئی بھی راس نہ ہو، اے لوگو! پھر بھی اداس نہ ہو
بے آس نہ ہو بے آس نہ ہو، ہم بگڑے کام بنا دیں گے

دکھ میں بھی نہ رونے دیں گے ہم، مایوس نہ ہونے دیں گے ہم
غفلت میں نہ سونے دیں گے ہم، سوتوں کو جا کے جگا دیں گے

جب رنج میں تم کو پائیں گے، ہم رنج بٹانے آئیں گے
پھر تم کو ہنسا کر جائیں گے، جب در پہ تمہارے صدا دیں گے

ہم نفس کو اپنے ماریں گے، ہم جوش دلوں میں ابھاریں گے
جب تجھے بھارت کی پکاریں گے، اک شور جہاں میں اٹھا دیں گے

جب کوئی مسافر پائیں گے، ہم اس کے ناز اٹھائیں گے
سب گھر کے چین بھلائیں گے، پردیس کو دیس بنا دیں گے

کشتی جو بھنور میں پائیں گے، طوفان کا جوش مٹائیں گے
ہم ڈوبیں گے مر جائیں گے، پر بیڑا پار لگا دیں گے

(حامد اللہ افسر)

اُولوالعزمی

ہے سامنے کُھلا ہوا میداں چلے چلو باغِ مراد ہے ثمر افشاں چلے چلو
دریا ہو بیچ میں کہ بیاباں چلے چلو ہمت یہ کہہ رہی ہو کھڑی ہاں چلے چلو
چلنا ہی مصلحت ہے مری جاں چلے چلو

ہیں کوہ و دشت جیسے کہ پھولا پھلا چمن دامن میں ہیں بھرے ہوئے نسرین و نسترن
نہریں اِدھر اُدھر ہیں امیدوں کی موجزن اس دشت میں نہ دوڑ سکو بن کے گر ہرن
کبکِ دری کی طرح خراماں چلے چلو

آؤ کہ کھولے اپنے نشاں ننگ و نام نے باندھی کمر ہو کس کے ہر ایک شاد کام نے
کیوں اس طرح کمر کو لگے تھک کے تھامنے دیوارِ باغ وہ نظر آتی ہے سامنے
سروِ سہی کے سر ہیں نمایاں چلے چلو

یارو چلو چلو! نہ کرو انتظار تم کرتے ہو کیا امیدِ یمین و یسار تم
میدانِ عزم و جزم کے ہو شہسوار تم بڑھ جاؤ گے کرو گے اگر مار مار تم
چلّا رہی ہے ہمتِ مرداں چلے چلو

آئینہ دل کا گردِ سفر سے اُجال دو پوچھے کوئی ارادہ کدھر ہے تو ٹال دو
شیطاں جو شبہ ڈالے تو سر سے نکال دو ہو خوف کا خیال تو بزدل پہ ڈال دو
اور آپ بن کے شیرِ نیستاں چلے چلو

آگے بڑھو کہ اب نہیں تاب قرار ہے کرنا ہے جب کہ کام تو کیا انتظار ہے
جو کچھ کہ معرکہ تھا لیا تم نے مار ہے ہو تم بھی خوش کہ آئی خوشی کی بہار ہے
فتح و ظفر نے لے لیا میداں چلے چلو

رکھو رفاہ قوم پہ اپنا مدار تم اور ہو کبھی صلہ کے نہ اُمیدوار تم
عزت خدا جو دیوے تو پھر کیوں ہو خوار تم دو رُخ کو آب فخر سے رنگِ بہار تم
گلشن میں ہو کے بادِ بہاراں چلے چلو

یارو چلو فلک پہ ستارے ہیں چل رہے آب رواں ہیں چشموں سے بہہ کر نکل رہے
جنگل میں کارواں بھی ہیں منزل بدل رہے جو تھم رہے یہاں وہی فردا و کل رہے
تھمنے کا یہ مقام نہیں ہاں چلے چلو

آؤ سیاہ سفید کا فیصل حساب ہے چمکایا چہرہ صبح نے با آب و تاب ہے
ظلمت پہ نور ہونے لگا فتحیاب ہے اور شب کے پیچھے تیغ بکف آفتاب ہے
تم بھی ہو آفتابِ درخشاں چلے چلو

نیکی بدی کے دیر سے باہم تھے معرکے اب خاتموں پہ آ گئے ہیں ان کے فیصلے
قسمت کے یہ نوشتے نہیں جو نہ مٹ سکے وہ گونجا طبل فتح کہ میدان لے لئے
ہے کرنائے جنگ کی الحاں چلے چلو

(آزاد)

میراوطن

یہ آسماں بنایا سارا جہاں بنایا
ہندوستاں بنایا یا گلستاں بنایا

کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے

کانوں کو بھر دیا ہے مٹّی میں زر دیا ہے
اکسیر کر دیا ہے کیا پیارا گھر دیا ہے

کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے

برسات آ رہی ہے جھولے جھلا رہی ہے
کلیاں کھلا رہی ہے دل کو لُبھا رہی ہے

کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے

پربت جو اک یہاں ہے ہمدوشِ آسماں ہے
کیسا عجب سماں ہے ایسی زمیں کہاں ہے

کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے

(حامد اللہ افسر)

محبّت کی مُرلی

(۱)

یہ آپس کے جھگڑے بکھیڑے مٹاؤ — محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ
جو انساں ہو انسان کے کام آؤ — محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۲)

بڑھے اسقدر جوش حُبّ وطن کا — کسی کو رہے ہوش تن من نہ دھن کا
یہ افسانۂ ما و من بھول جاؤ — محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۳)

جو مسجد کو ڈھایا تو مندر گرایا — جو مندر گرایا تو مسجد کو ڈھایا
خدا اور ایشور کو دو کیوں بناؤ — محبّت کی ہر وقت مرلی بجاؤ

(۴)

یہی دھرم ہے اور ایمان یہی ہے — یہی وید ہے اور قرآن یہی ہے
کہ تم اپنے ہی نفس پر فتح پاؤ — محبت کی ہر وقت مرلی بجاؤ

(۵)

خدا جانے آپسمیں کیوں دشمنی ہے — عداوت بڑی ہے لڑائی ٹھنی ہے
بس اسکا علاج ایک ہے مان جاؤ — محبّت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۶)

یہ کیسا ستم ہے، یہ کیسا غضب ہے | کہ آپس میں حجت ہے اور بے سبب ہے
ارے باز آؤ، ارے باز آؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۷)

کبھی پہلے تو ایسی حالت نہیں تھی | یہ بے اتفاقی، یہ نفرت نہیں تھی
ادھر دیکھو آنکھوں سے آنکھیں ملاؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۸)

جو پہنچے ہیں صدمے انھیں بھول جاؤ | گلے سے لگو، پھر گلے سے لگاؤ
پھر پریم رس اور رہم کو پلاؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۹)

نحوست اگر سر پہ منڈلا رہی ہے | تو بیچار کی راہ بتلا رہی ہے
مرے دوستو ہوش میں اب بھی آؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۰)

نفاق و حسد تھا نہ یہ بغض و کینہ | ہر اک دل تھا بے عیب جیسے نگینہ
جو شیوہ بزرگوں کا تھا پھر دکھاؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۱)

وہ پیغام امن و اماں دینے والا | رہِ معرفت کا نشاں دینے والا
اُسی "برج موہن" کا نغمہ سُناؤ | محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۲)

وہ نغمہ فضائیں تھیں سرشار جس سے
چھلکے دشت و کہسار و گلزار جس سے
اُسی سوتے جادو کو پھر سے جگاؤ
محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۳)

وہ نغمہ کہ روحوں کو جس نے سنوارا
جنھیں گوپیاں کہہ کے سب نے پکارا
وہی رنگ رلیاں دوبارہ مناؤ
محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۴)

ہوئی پاک جب روح سب رشتے ٹوٹے
مزے لوٹے اپنی صفا و ضیا کے
یہ مایا کا منڈپ جو ہے پہلے ڈھاؤ
محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(۱۵)

جنھیں خانہ جنگی سے فرصت نہیں ہے
مروّت نہیں ہے، حمیّت نہیں ہے
اثرؔ کا یہ پیغام اُن کو سناؤ
محبت کی ہر وقت مُرلی بجاؤ

(اثرؔ لکھنوی)
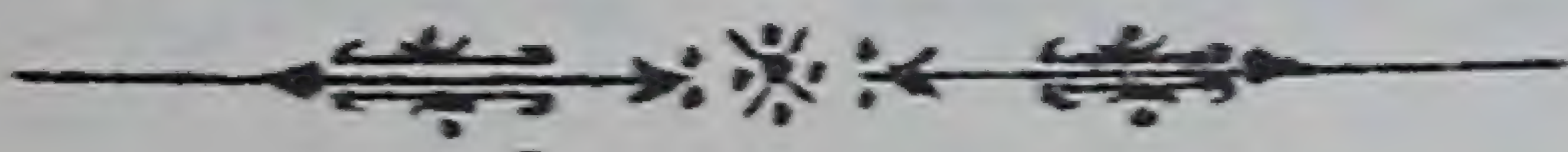
لوری

سو جا آنکھ کے تارے سو جا — سو جا دل کے سہارے سو جا
سو جا راج دُلارے سو جا — سو جا چاند ہمارے سو جا
سو جا سو جا پیارے سو جا

رات نے جھنڈے سُکھ کے اُڑائے — نیند کھڑی ہے پر پھیلائے
ماں اپنے بچّے کو سُلائے — دھیمے سُروں میں لوری گائے
سو جا سو جا پیارے سو جا

کلیاں شاخوں پر سوتی ہیں — شاخیں جُھک جُھک کر سوتی ہیں
چڑیاں بے بستر سوتی ہیں — باجی اپنے گھر سوتی ہیں
سو جا سو جا پیارے سو جا

آہستہ کھیتوں سے نکل کر — ندی سے گزری ہے سنبھل کر
پیڑوں کے سایہ میں ٹہل کر — نیند آئی ہے دور سے چل کر
سو جا سو جا پیارے سو جا

پاس میں آس بندھائے گا تو — بگڑے کام بنائے گا تو
دُکھ دُنیا کا مٹائے گا تو — سُکھ دے گا سُکھ پائے گا تو
سو جا سو جا پیارے سو جا

خدمت کرنا پیارے وطن کی — رونق بننا اپنے چمن کی
یاد نہ آئے رنج و محن کی — کرنا قدر افسرؔ کے سخن کی
سو جا سو جا پیارے سو جا

(حامد اللہ افسر)

ترانۂ مسلم

آثار سے ہے ماضی ہر سو عیاں ہمارا ہر خطۂ زمیں ہے افسانہ خواں ہمارا
گذرا ہے ایسا زریں عہدِ گذشتہ کس کا ثانی کوئی بتائے تاریخ داں ہمارا
کایا جنھوں نے پلٹی عالم کی وہ ہمیں تھے زوروں پہ جن دنوں تھا بخت جواں ہمارا
نامِ خدا مچا دی وہ دھوم دو جہاں میں شہرہ یہاں ہمارا چرچا وہاں ہمارا
پرواز کی حدیں تھیں گھیرے ہوئے جہاں کو چھوٹا سا تھا عرب میں گو آشیاں ہمارا
کس ملک و مملکت میں اس صفحۂ زمیں پر گونجا نہ زیرِ گردوں شورِ اذاں ہمارا
لرزاں تھی ساری دنیا تلوار سے ہماری مانے ہوئے تھا لوہا سارا جہاں ہمارا
آتے تھے آسماں سے بہرِ مدد فرشتے اللہ میاں کے ہم تھے اللہ میاں ہمارا
راہیں ترقیوں کی کیوں ہم پہ سب نہ کھلتیں ہادی تھا سرگروہِ پیغمبراں ہمارا
سالارِ کارواں کے نقشِ قدم کو چھوڑا گم ہے جو وادیوں میں اب کارواں ہمارا

ہو پھر نصیب ہم کو یارب عروجِ سابق
چھا جائے کل جہاں پر قومی نشاں ہمارا

(مؤلف)
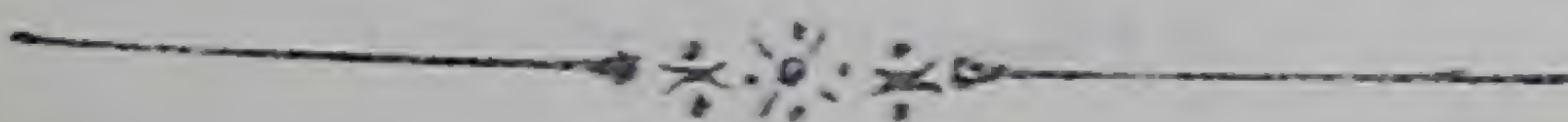
محبّت

مجھے معلوم نہ تھا

دوستی ترک کرو گے، مجھے معلوم نہ تھا
چاہ کا نام نہ لو گے، مجھے معلوم نہ تھا
غیر کے ہو کے رہو گے، مجھے معلوم نہ تھا
مجھ سے بچ بچ کے چلو گے، مجھے معلوم نہ تھا

یاد ایام کہ تم تھے مرے دل کے بس میں
تم سے تازہ تھیں محبت کی قدیمی رسمیں
یا وفا نام پر کھاتی تھی تمہارے قسمیں
یا جفا بھی نہ کرو گے، مجھے معلوم نہ تھا

رسم و رہ چھوڑے ہوئے رنگ پریدہ کی طرح
دل سے منہ موڑے ہوئے اشک چکیدہ کی طرح
رشتے سب توڑے ہوئے صیدِ رمیدہ کی طرح
دور ہی دور پھرو گے، مجھے معلوم نہ تھا

دل مجھے کوچہ و بازار میں لایا بھی اگر
چرخ بدخواہ رہِ راست پہ آیا بھی اگر
کبھی قسمت نے سرِ راہ ملایا بھی اگر
اجنبی بن کے ملو گے، مجھے معلوم نہ تھا

چاہ سی چاہ تھی جس دن سے سنبھالا تھا ہوش
باہمی لطف و مروت میں برابر تھا جوش
گامزن راہِ محبت میں تھے ہم دوش بدوش
تا بہ منزل نہ چلو گے، مجھے معلوم نہ تھا

حدِ تسلیمِ محبت سے نکل جاؤ گے — ذکر آئے گا کہیں میرا تو ٹل جاؤ گے
رنگ بدلے گا زمانہ تو بدل جاؤ گے — وقت کیسا تھا چلو گئے، مجھے معلوم نہ تھا

عشقِ شوریدہ عدم سے مجھے یاں لایا تھا — پہلے ہی دولتِ کونین لُٹا آیا تھا
ہو گئے بیگانہ دو عالم سے تمہیں پایا تھا — تم بھی اپنے نہ رہو گے، مجھے معلوم نہ تھا

درد سے دل کے بہلنے کا سہارا پایا — رُو لئے نامِ وفا لے کے جو دل گھبرایا
تم سے بچھڑے تو نہ یاں لب پہ تبسم آیا — تم جُدا ہو کے ہنسو گے، مجھے معلوم نہ تھا

زندگی عیش بر آغوش تھی تم سے مل کے — اک تمہیں باعثِ رونق تھے مری محفل کے
تم گلِ تازہ شگفتہ تھے چمن ہیں دل کے — خار بن بن کے چبھو گے، مجھے معلوم نہ تھا

زندگی بھر کے مزے عشق میں ناحق کھوئے — تخمِ اُمید عبث کشتِ عمل بوئے
میرا افسانۂ غم سُن کے عدو بھی روئے — تم سنو گے تو ہنسو گے، مجھے معلوم نہ تھا

ملنے جُلنے کی کچھ اسطرح پڑی تھی عادت — چین دم بھر کو نہ آتا تھا جو ہوتی فرقت
آخری بار ہوئے کون گھڑی سے رخصت — اب کے بچھڑے نہ ملو گے، مجھے معلوم نہ تھا

(سروش عسکری طباطبائی)

مناظرِ قدرت

فصلِ گُل کی پری

نہا کے شبنم میں لیلیٰ شب سفید جوڑا بدل رہی تھی
گلوں کی خوشبو سے مست ہو کر نسیم اٹھلا کے چل رہی تھی
فلک پہ تھے ایک دو ستارے جواب بھی کچھ کچھ چمک رہے تھے
اور اپنی بربادیوں کے منظر کو یاس و حسرت سے تک رہے تھے
بنفشئی روشنی برابر فلک سے رم جھم برس رہی تھی
سمندر اک نور کا تھا گویا کہ جس میں دُنیا یہ بس رہی تھی
گلوں پہ تھا مستیوں کا عالم بلند تھے قہقہائے شیریں
فضائے گلشن پہ چھا گئے تھے طیور کے نغمہ ہائے شیریں

سحر کے اس دلربا سماں میں وہ لیکے انگڑائی جاگ اُٹھے
پہنچ کے سرگم کے سُر پہ جیسے ذرا کچھ اوپر کو راگ اُٹھے
اُدھر تو چشمِ شراب گوں سے بصد حشم اک نگاہ نکلی
اِدھر دلِ دردآشنا سے تڑپ کے اک سرد آہ نکلی
وہ نیند اور مستیوں کے سنگم فضا میں پہونچی تو لڑکھڑائی
یہ اضطرابِ دل مجسّم ہوا میں آتے ہی تھرتھرائی

اُدھر تو مستانہ لغزشوں نے کیا تلاطم فضا میں پیدا
اِدھر تھی سردی یہ کچھ اس بلا کی ہوئی بردوست ہوائیں پیدا
اُدھر سے پھولوں پہ رقص کرتی چمن کے اندر نگاہ دوڑی
اِدھر سے دوشِ صبا پہ چڑھ کر دلِ فسردہ کی آہ دوڑی
گلاب کا ایک پھول تازہ ابھی ابھی کا کھلا ہوا تھا
نگاہ کی مستیوں سے بچکر الگ کو چُپکا کھڑا ہوا تھا
نگہ سے ملنے کی آرزو میں بڑھی جو گھبرا کے آہ آگے
نگاہ کو کچھ حیا سی آئی سمٹ کے چاہا وہاں سے بھاگے
اِدھر سے گستاخیوں کی بھرمار، اُدھر حیا و حجاب طاری
نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، نگہ کو تھی سخت بیقراری
بڑی کشاکش کے بعد دونوں ملیں تو ایسی کہ پھر نہ چھوٹیں
بہت بچا پھول خیر گزری کہ صرف دو پتیاں ہی ٹوٹیں

نگاہ کو آہ نے بغل میں لیا اور اچھی طرح دبایا
یہ اُس پہ طرّہ ہوا کہ سردی نے اسکی اپنا اثر دکھایا
دبی اور اوپر سے پائی سردی ٹھٹھر گئی اور تھم گئی وہ
گری ہوئی پتیوں پہ گُل کی بہ شکل محسوس جم گئی وہ

کسی کی آنکھوں سے جو نگاہیں نکل کے آتی تھیں تار بن کر
وہ ثبت تھیں برگ و گل کے اوپر حسین نقش و نگار بن کر
نگاہ و گل کا تھا یہ مرکب بھرے تھے سارے کمال اسمیں
شرارت اس میں، لطافت اس میں، نزاکت اس میں، جمال اسمیں
تڑپ کے اب پھر جو آہ اٹھی تو پتیاں اس کے دوش پر تھیں
مسرتوں میں بھی تھا تلاطم، دلی امنگیں بھی جوش پر تھیں
سیاہ سا دود آہ گویا بظاہر اک بیچ کی کڑی تھی
اور اس کے بازو وہ پتیاں تھیں کہ اک ادھر اک ادھر جڑی تھی
حسین و رنگین و نرم و نازک یہ فصل گل کی پری بنی تھی
مؤرخوں سے سنا ہے میں نے کہ اس طرح تیتری بنی تھی

(ڈاکٹر سعید بریلوی)

صُبح کا خزانہ

صبح نے کھول کے اپنا خزانہ گھر گھر سونا بانٹ دیا
پتّہ پتّہ سونے کا تھا، کونپل کونپل سونے کی
موتی ہی موتی بکھرے پڑے تھے سارے کھیت کے پتّوں پر
گویا کھیت میں سونے کے تھی فصل یہ موتی بونے کی

شب بھر چاندی کے دریا میں صبح نہا کر نکلی تھی
سونے کے پیٹ میں جگ مگ کرتے تارے کھا کر نکلی تھی
قدر نہ جانی نال کی اس کے اکثر سونے والوں نے
صُبح اسی لئے جوگی کے گھر سیدھی آ کر نکلی تھی

(حامد اللہ افسر)
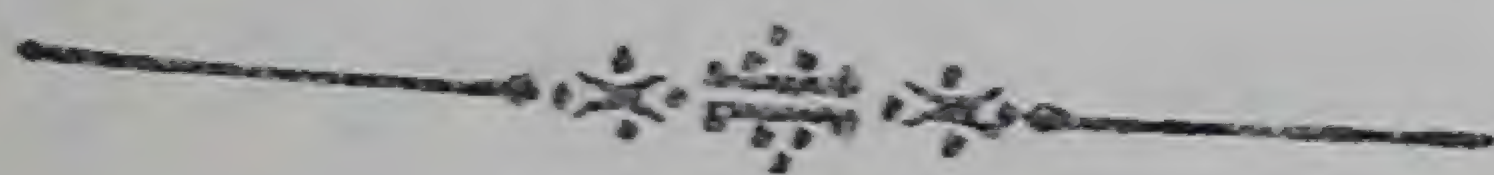
توتے

پیپل کے ہر درخت پہ توتے ہیں پر سے
چونچیں ہیں لال لال بدن ہیں ہرے ہرے

پیپل کا جو درخت مرے گھر میں ہے کھڑا
وہ آس پاس کے ہے درختوں سے کچھ بڑا

آتی نظر ہے اس پہ بھی توتوں کی انجمن
پھرتے ہیں ڈال ڈال وہ ہو کر بہت مگن

پہلے تو وہ ہوا میں ذرا تھرتھراتے ہیں
پھیلا کے پھر دموں کو وہ بازو ہلاتے ہیں

کس کس مزے سے میٹھے ہوئے پھل ہیں کھا رہے
پیپل کی ٹہنیوں پہ ہیں ٹیں ٹیں مچا رہے

چھوٹے پھلوں کو پھینکتے ہیں وہ کتر کتر
مینہ سا برس رہا ہے زمیں پر پٹر پٹر

پتے بھی ہیں ہرے ہرے توتے بھی ہیں ہرے
دونوں میں پھر تمیز کوئی کس طرح کرے

تالی بجاؤ تم تو اُڑیں گے وہ ایک بار
لمبی دُمیں ہلا کے دکھائیں گے وہ بہار

یوں تو کتر کتر کے وہ سب کچھ اُڑاتے ہیں
خربوزے اور گنّے مگر اُن کو بھاتے ہیں

گر گوپیے کی ان پہ نہ پڑتی رہے لتاڑ
تو ساری کھیتیاں یہ کسانوں کی دیں اُجاڑ

(سلیم پانی پتی)
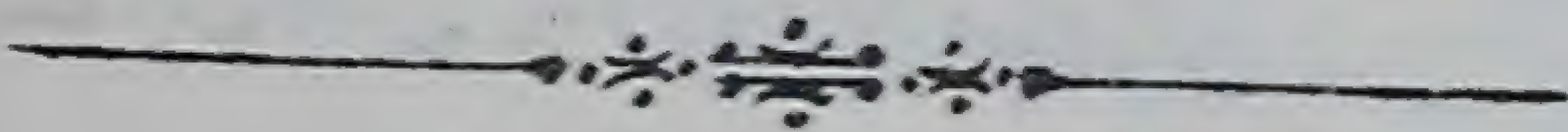
جاڑے کی بہار

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پہ گلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلّا خم ٹھونک اُچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتّیسی
ہو شور پپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّہ پر کلّہ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکّی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتّھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سنّاٹا باد کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کُھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا، ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(نظیر اکبر آبادی)
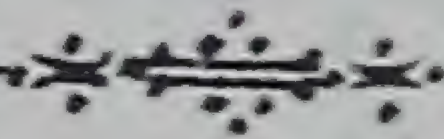
بہار کے دن

آیا ہے بہار کا زمانہ ۔ باغوں کے نکھار کا زمانہ
کلیاں کیا کیا چٹک رہی ہیں ۔ ساری روشیں مہک رہی ہیں
ہلکی ہلکی یہ ان کی خوشبو ۔ پھیلی ہوئی ہے چمن میں ہر سو
چڑیاں گاتی ہیں گیت پیارے ۔ سُنتے ہیں چمن میں پھول سارے
شاخوں کا بنا لیا ہے جھولا ۔ پھولوں سے لدا ہوا ہے جھولا
کونپل ہر اک ہے کیسی پیاری ۔ سبزی میں جھلک رہی ہو سُرخی
کتنی راحت فزا ہوا ہے ۔ گویا جنّت کا در کُھلا ہے
خوش خوش ہر ایک آدمی ہے ۔ ہر شے میں بلا کی دلکشی ہے
یہ صبح کا دلفریب منظر ۔ یہ شام کا حُسن روح پرور
یہ رات کو چاندنی کا عالم ۔ اللہ رے بے خودی کا عالم
کیسی دلچسپ چاندنی ہے ۔ چادر اک نور کی تنی ہے
ہر دل میں اُمنگ کس قدر ہے ۔ سب پر ہی بہار کا اثر ہے

سڑکوں پہ جو لوگ جا رہے ہیں
غزلیں افسر کی گا رہے ہیں

(حامد اللہ افسر)

تتلی

تتلی! اے جامہ زیبِ تتلی — خوشرنگ، نظر فریب تتلی

ننھی سی جان، پیاری تتلی — نیلی، پیلی، سفید، چتلی

تو حورِ جناں کی پنکھیا ہے — یا پھول ہی پنکھڑی ہو گیا ہے

نازک نازک ترے یہ بازو — یا شوخیِ حسن کی ترازو

اُڑتی پھرتی ہے باغ بھر میں — چپّہ چپّہ تری نظر میں

رمنہ ترا ہے سبزۂ و گل — قبضے میں ترے ہے جزو تا کل

تو پہلے تھی اک ذلیل کیڑا — ہمّت کا مگر اُٹھا کے بیڑا

طے کر کے منازلِ کثافت — پہونچی تا سرحدِ لطافت

تیری ہر وضع اب ہے دلکش — ہو سادہ لباس یا منقّش

قدرت کی یہ فیض گستری ہے — کیڑا جو تھا اب وہی پری ہے

پرواز میں اسقدر سبک سیر — ہمتا جس کا نہیں کوئی طیر

کچھ شرط سہی اُڑے بھنبھیری — بازی میں رہے گی تو ہی میری

گل سے سرِ دوش تو جو چڑھ جائے — حسن اس کا چمن میں اور بڑھ جائے

تو شاخ سے جب اُڑے بصد ناز — سمجھیں سب گل ہی گرمِ پرواز

گوناگوں تتلیوں کی بہتات — کب ہوتی ہے خوب جب ہو برسات

ان کے افسانے ہیں نرالے — یہ بھی کہتے ہیں کہنے والے

ہیں بکلیس میں تتلیوں کے روحیں — مصروف بہار دیکھنے میں

روحیں آزاد کی ہوئی ہیں — ان کو نہ چھوؤ چھوئی موئی ہیں

دیکھو کہ یہ دیکھنے کی ہیں چیز — چھونا ان کا خلاف تمیز

کرتے ہو اگر پسند بچو — مٹھی میں کرو نہ بند بچو

ان پریوں کو جان سے نہ مارو — آہستہ سے شیشے میں اتارو

جیسے کہ بھری ہوئی ہو کچھ دوب — یعنی انکی غذائے مرغوب

یہ عمر بسر کریں مع الخیر — تم شوق سے بیٹھ کر کرو سیر

راحت سے جو چاہتے ہو رہنا — مانو اپنے صفی کا کہنا

ان جانوروں کو دو نہ ایذا — تم کو دیتے ہوں جو نہ ایذا

(صفی لکھنوی)
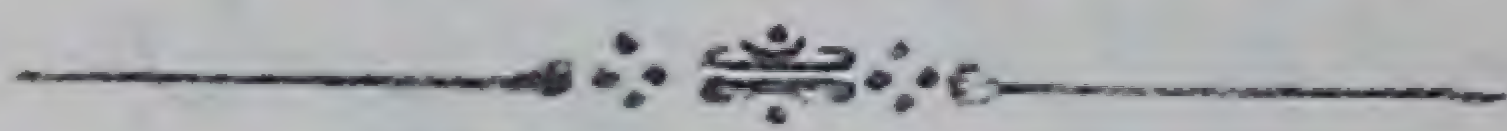
لہر شاندار گنگا

اے شان دار گنگا
اے پُر بہار گنگا

گنگوتری سے نکلی کیسی اُچھل اُچھل کر
اور پربتوں سے اُتری پہلو بدل بدل کر

پتّھر بہائے تو نے جو راستے میں آئے
کودی بلندیوں سے جلوے عجب دکھائے
اک راہ میں بنائے سو آبشار گنگا

اے شان دار گنگا
اے پُر بہار گنگا

ہیں شہر پیارے پیارے اکثر ترے کنارے
تیرتھ ترے کنارے مندر ترے کنارے

جل ہے ترا پوتر مٹّی بھی تیری پیاری
پاکیزگی کی دیوی پاکیزہ ہے تو ساری

تجھ سے ترے پُجاری کرتے ہیں پیار گنگا
اے شان دار گنگا
اے پُر بہار گنگا
مشہور ہو گئی تو ہندوستان کی ماتا
تجھ میں ہر ایک ہندو اشنان کو ہے آتا

ہندوستانیوں کی ہمدم ہے تو پُرانی
دنیا میں کوئی دریا تیرا نہیں ہے ثانی
ہے تیرا صاف پانی امرت کی دھار گنگا
اے شان دار گنگا
اے پُر بہار گنگا
راتوں کو چاند تارے لہروں میں جھومتے ہیں
پھولوں بھرے کنارے پیروں کو چومتے ہیں
سورج بکھیرتا ہے کرنوں کے ہار تجھ پر
اور کرتی ہیں ہوائیں نقش و نگار تجھ پر
سب ہیں نثار تجھ پر سب ہیں نثار گنگا
اے شان دار گنگا
اے پُر بہار گنگا

(حفیظ جالندھری)

صُبح کے ستارے

صورتِ دہر و سحر تیار   یہاں کوئی دم کی ہے شبِ تار
سوئے مشرق ہے جلوۂ انوار   کہ نمایاں ہیں صبح کے آثار

اوس تاروں پہ پڑنے والی ہے
اب یہ محفل اُجڑنے والی ہے

نور کے بحر میں ہے طغیانی   ہوئے تارے غریقِ حیرانی
اب کہاں رونقِ درخشانی   آہ ! سر سے گزر گیا پانی

تابِ طوفانِ نور لا نہ سکے
رہ نکل بھاگنے کی پا نہ سکے

اس طرح آتے ہیں نظر بے نور   جیسے دُھندلا کوئی چراغ ہو دُور
یا کوئی جیسے خوشۂ انگور   سوکھ کر تاک سے گرے مجبور

یا ہوں جیسے فسردہ اور ملول
آخرِ موسمِ بہار کے پھول

جس طرح یا طفیلِ سوز و گداز   کہ ہے دستورِ طالعِ ناساز
اشکِ بیمارِ سال ہائے دراز   کھو چکے آب و تاب کے انداز

نظر آتے ہیں یونہی بے رونق

منہ ہے شمع سحر کی صورت فق!

ماہ دلگیر اُداس تارے ہیں چشمکیں ہیں نہ وہ اشارے ہیں

گویا بجھنے کو یہ شرارے ہیں پھر بھی دلکش ہیں پیارے پیارے ہیں

اُترے چہرے ہیں مہ جبینوں کے

رخ پژمردہ ہیں حسینوں کے!

(منشی تلوک چند محروم بی اے)

کانپتا چلا گیا

صُبحدم تھی کیا بہار یعنی شانِ کردگار
ہر طرف تھی آشکار

آبشار جوئے بار سبزہ زار کوہسار
شاخِ نخل و برگ و بار

چیڑ اور دیودار تھے قطار در قطار
برف سے سب ہمکنار

میں میانِ رہ گزار
کانپتا چلا گیا

اک حسین گل بدن نازنینِ سیم تن
مثلِ برگِ یاسمن

زرد رُو و پُر محن شور بور پیرہن
راہ گیر خندہ زن

میں یہ دیکھ کر چلن باجبینِ پُر شکن
کانپتا چلا گیا

سیلِ نور ہر طرف　　شاخِ طور ہر طرف

قریب و دُور ہر طرف

چھا رہی تھی بے کسی　　حکمراں تھی خامشی

اور چرخِ اخضری

محوِ سحرِ سامری

شاخِ گل جھکی ہوئی　　وقفِ حمدِ ایزدی

میں بحال بے بسی

کانپتا چلا گیا

جس طرف کرو نظر　　یمین پر یسار پر

برف تھی اِدھر اُدھر

اَٹ رہے تھے بام و در　　راستے تھے پُر خطر

ہو رہا تھا اور سفر

اک نمونۂ سقر

کیا کرے کوئی بشر　　الامان و الحذر

میں بھی تھام کر جگر

کانپتا چلا گیا

عاشقانِ خستہ جاں　　ان کی اضطراریاں

اور دل فگاریاں

ان کی گرم جوشیاں اور بادہ نوشیاں
یعنی سرفروشیاں
پہلوئے نگار میں ہو رہے تھے شادماں
میں یہ دیکھ کر سہماں
کانپتا چلا گیا

اک غریب بے نوا مفلسی میں مُبتلا
سر بسر لرز رہا
سب پھٹی ہوئی قبا ہاتھ میں سے لئے عصا
لب پہ "شکر" کی صدا
دل میں صبر کی ضیا اور مثل بادپا
جا رہا تھا بھاگتا
میں یہ دیکھ ماجرا
کانپتا چلا گیا

سب اِدھر اُدھر سفید طائرِ نظر سفید
گھر سفید در سفید
سارے رہ گزر سفید نخلِ بار ور سفید
میں بھی تا کمر سفید
کانپتا چلا گیا

(غلام جیلانی عاصی بی اے)

رودِ گنگا

اے آبِ جاری، اے فیضِ قدرت، اے موجِ رحمت، اے رودِ گنگا
ہے سب کے دل میں یہ تیری قیمت ایک ایک موتی ایک ایک قطرا
عکسِ شفق سے سونے کی لہریں، بن کر اٹھی تھیں موجیں ہزاروں
مہتاب نے وہ منظر ہی بدلا، بہنے لگا اک چاندی کا دریا
ان خنکیوں کا اعجاز ہے یہ تازہ ہوئی ہیں ساری اُمنگیں
بڑھنے لگی ہے دل کی حرارت، پانی سے پیدا ہوتا ہے شعلہ
ہوتے ہیں یوں تو تیرے کنارے جلسے بہت کچھ میلے بہت سے
"صبحِ بنارس" شہرت ہے جسکی بے مثل ہے وہ تیرا کرشمہ
جس سمت زمیں سے تیرا گزر ہے رشکِ بہارِ گلشن ہوئی ہے
پودوں پہ رونق، سیراب کھیتی، شاداب وادی، سرسبز صحرا

(سہا علیگ)
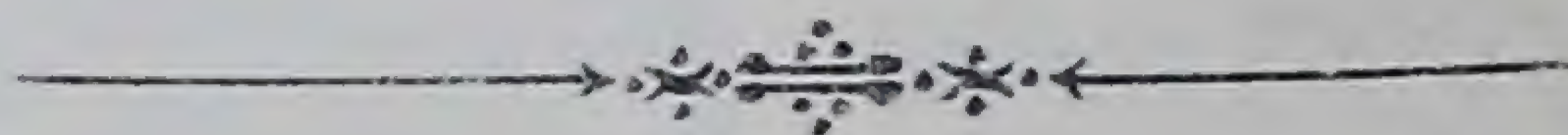
چاند

تم ندی پر جا کر دیکھو — جب ندی میں نہائے چاند
ڈبکی لگائے غوطے کھائے — ڈر ہے ڈوب نہ جائے چاند

کرنوں کی اک سیڑھی لیکر — چھم چھم اُترا آئے چاند
جھولے میں پانی کی لہروں کے — کیا کیا پینگ بڑھائے چاند
ہنس ہنس کر ندی کے اندر — روتوں کو بھی ہنسائے چاند
جب تم اس کو پکڑنے جاؤ — بادل میں چھپ جائے چاند
پھر چپکے سے نکل کر دیکھے — اور پھر خود کو چھپائے چاند
اب ہالے میں چھپ بیٹھا ہے — کیا کیا روپ دکھائے چاند

چاہے جدھر کو جاؤ افسر
ساتھ تمہارے جائے چاند

(حامد اللہ افسر)

طوفان عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندّی تجھ پر غضب خدا کا — اُلٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا
اچھا کیا ادا حق ہمسائگی کا تو نے — ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا
اک کاروانِ آصف اُترا ترے کنارے — اونا سپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا
تیری ہر ایک ٹکّر داعی بنی اجل کی — تیرا ہر ایک تھپیڑا قاصد بنا قضا کا
منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر — سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا
تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے — مورد ہو ناخدا کیوں الزام ناروا کا
اب ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن — وقت آ گیا سزا کا عہد آ گیا جزا کا
خالی اُمید کا گھر دروازہ توبہ کا بند — آہ اے اثر کہاں ہے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہے گا

اُمڈی ہوئی ہے ندی چھایا ہوا ہے بادل — پاٹ اس قدر بڑا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل
ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا — خورشید خاوری ہے ابر سیہ کے اوجھل
اکبارگی گئے کھل گردوں کے سب دریچے — بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول
قدرت کی طاقتوں کو دست قضا ہی روکے — انساں کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل
غصے کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا — دقت شکن ہے ابرو ماتھے پہ ہیں پڑے بل
جوش و خروش اسکا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے — سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل
ساحل پہ گھر ہیں جنکے وہ دل میں کہہ رہے ہیں — مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اوّل

پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو
جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بیکل

گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب
ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل

ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں
بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل

واں موجب اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی
یاں باعث فنا ہے آب بقا کا چنگل

محشر کا صور پھونکا موسی نے کو بکو ہے
شور نشور برپا بلدہ میں سو بسو ہے

واحسرتا وہ صدہا گھر بار کا اُجڑنا
ہر نخل آرزو کی بنیاد کا اُکھڑنا

وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا
کوہ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا
سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسم بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا
وہ جان ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا

بس ہاتھ کا نہیں ہے جس میں کہ جان باقی
بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا
اور ضد سے اس کے سینے پہ ایڑیاں رگڑنا

بچے کا ہاتھ آ کر پھر ماں سے چھوٹ جانا
زخم جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اُکھڑنا

سب دل کے ولولوں کا پیوند آب ہونا
اک رات کی دُلھن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا
اور انکی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت یہ سیل رود موسی
من کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لیکر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سر منزل عدم کو

(ظفر علی خاں)

نسیم سحر

ہنگامِ صبح ناز سے بادِ صبا چلی ہر چار سمت باغ میں کلیاں کھلا چلی
جس پھول کے قریب سے گذری ہنسا چلی سبزہ جو خواب میں تھا اسے بھی جگا چلی
کلیوں سے چھیڑ کرتی چلی گد گدا چلی ہر گل سے کھیلتی ہوئی باصد ادا چلی

پودوں نے گود میں جو لیا تو پلٹ گئی
شرمائی اور لجائی، کٹی اور سمٹ گئی

اک سانس لے کے پھر روشوں سے گزر چلی بے خوف بے ہراس چلی بے خطر چلی
دامن ہزار طرح کی خوشبو سے بھر چلی شبنم سے چھو کے بھیگ گئی تر بتر چلی
غنچوں کو چھیڑ چھاڑ کے شرمندہ کر چلی کس رنگ سے چمن میں نسیم سحر چلی

اک کنج میں جو پہنچی تو چکرا کے رہ گئی
بل تو بہت سے کھائے پہ بل کھا کے رہ گئی

پھر کنج سے نکل کے بہت ناتواں چلی اور خشک پتیوں کا لئے کارواں چلی
کچھ ٹھنڈے سانس بھرتے ہوئے نیم جاں چلی بیرونِ باغ صورتِ عمرِ رواں چلی
خاک اس قدر اڑی کہ بہت ہی گراں چلی یہ کون جانتا ہے چمن سے کہاں چلی

افسرؔ صبا ہر ایک کو مسرور کر گئی
کیفیتوں سے روح کو معمور کر گئی

(حامد اللہ افسرؔ)

گرمی

پھر زمانہ جون کا آیا درِ دوزخ کھلا آگ برسی غیض سے پھر تمتما اُٹھی فضا
خون کھولا ہر بُنِ مُو سے پسینہ پھر چلا پھر بخاراتِ زمیں اُمڈے تلاطم آگیا

خیر ہو یارب کہ پھر برہم مزاجِ نار ہے
جو کرن ہے خون میں ڈوبی ہوئی تلوار ہے

پھر زمیں سے آنچ سی اٹھنے لگی بھڑکے تنور لو کے جھونکے دوپہر تک بن گئے طوفانِ صو
پھر گھنے پیڑوں کے پتّوں میں چھپے جا کر طیور انتہا پر آگیا پھر تیز سورج کا غرور

کوہ کی چوٹی پہ جتنا برف تھا سب گھل گیا
بادشاہِ شرق کا پھر سُرخ پرچم کھل گیا

خشک کلیاں ہو گئیں مرجھا گئے سب برگ و بار پھر چڑھا ہے دھوپ کی تیزی سے دنیا کو بخا
چرخ پر چھایا ہوا ہے صبح سے گرد و غبار کتنا آتش ریز ہے اے جون تیرا ابر مار

ابرِ مصنوعی نے کم کی آب و تابِ آسماں
یہ غبارِ زرد ہے گویا سرابِ آسماں

حلق میں کانٹے پڑے ہونے لگا پھر رنگ زرد لب پہ خشکی طبع میں آشفتگی آنکھوں میں گرد
کنپٹی کی رگ چلی پیہم اٹھا پھر سر میں درد [illegible] گرمی بڑھ گئی پھر ہو گئے جذبات سرد

کس سے وحشت کیجئے کس سے تمنا کیجئے
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ اب کیا کیجئے

اُس جگہ بالو ہی بہتے تھے کبھی دریا جہاں　　اوڑھ کر ذرّوں کی چادر سو گئی ہیں ندیاں
دوپہر کا اژدہا ہے غیض میں کف در دہاں　　یہ زمیں جھلسی ہوئی تپتا ہوا یہ آسماں

پتیوں کے سایہ میں بگولے یہ تھرّاتے ہوئے
یہ بگولے خشک میدانوں میں بل کھاتے ہوئے

ایک ہنگامہ سا برپا ہے زمیں سے تا فلک　　رنگ سبزے سے اُڑا ہے سینۂ گل سے مہک
سُرخ ذرّوں کی حرارت گرم سورج کی لپک　　چارپائے جھیل میں ڈوبے ہوئے گردن تلک

خوابگاہیں نوجوانی کی بھی اب بھاتی نہیں
کنج میں ہے اور چرواہے کو نیند آتی نہیں

(جوش ملیح آبادی)

برکھا رین

رات اندھیری اور اس پہ سایہ ابر سیاہ
راستہ ڈھونڈھے نہیں پاتی کسی جانب نگاہ

ابر کی چادر کے نیچے سب ستارے چھپ گئے
شب کی تاریکی بلا تھی ڈر کے مارے چھپ گئے

کچھ نظر آتے ہیں جگنو نام کو ہے جن میں نور
ان پہ بھی ظلمت ہے غالب اور اگر ہیں بھی تو دور

یا تو کر دے منتشر اس ابر کو تو او ہوا
یا بڑھا دے اسپر اپنے جبر کو تو او ہوا

سلسلہ بجلی کا قائم کر کہ روشن ہو جہاں
ہو زمیں تابش نظر، پنہاں رہے گو آسماں

بادلوں کو دم نہ لینے دے یہ ٹکراتے رہیں
برق کے جلوے زمیں تک ان کے نور آتے رہیں

بن گئی رعد، او ہوا۔ تو نے ستم ہی کر دیا
میرے بچوں کے دلوں کو خوف سے کیوں بھر دیا

اڑ گئی نیند انکی آنکھوں سے یہ چونکے رو اُٹھے
تھرتھرائے۔ خوف سے سہمے پریشاں ہو اُٹھے

اور بادل آ گیا گھر کر کہ ظلمت بڑھ گئی
تیرگی پر تیرگی کی دوسری تہہ چڑھ گئی

بڑھ گئی بارش تو چھت ٹپکی یہ اور آفت ہوئی
کس طرف کھینچوں مسہری کیا ہوئی زحمت ہوئی

گر پڑا دہ گھر کسی کا، وہ گری بجلی کہیں
وہ کڑک، وہ روشنی آئی فلک سے تا زمیں

الاماں! بجلی یہ کیا ہے۔ قہر ہے اللہ کا
روکنے والا نہیں ہے کوئی اسکی راہ کا

خیر بادل اڑ گیا تارے نظر آنے لگے
ہٹ گیا پردہ تو دیے اپنے چمکانے لگے

حق نے پیدا ان ستاروں میں چمک کیا خوب کی
قمقموں سے زینت سقف فلک کیا خوب کی

کہکشاں میں ہو گئے یکجا ستارے کس قدر
ان کا پرتو ہے عیاں گو خود کم آتے ہیں نظر

اس ہوا کو کاش بھر اپنے بخارات اب نہ دے
ہو جو دینا ہی تو دے وہ دن کو وقت شب نہ دے

(شوق قدوائی)

جلوۂ سحر

خاموش فضا میں وقتِ سحر جذبات کا دریا جاری ہے
اک کیف کا طوفان اُمڈا ہے اک وجد کا عالم طاری ہے

وہ چاک ہوا دامانِ سحر وہ ظلمتِ شب کافور ہوئی
عالم عالم پُر نور ہوا دُنیا دُنیا مسرور ہوئی

وہ کرنیں نور کی نکلی ہیں خورشید کے زریں ساغر سے
وہ بادۂ سُرخ چھلکتا ہے پھولوں کے رنگیں ساغر سے

وہ بادِ صبا مستانہ چلی وہ پتلی شاخیں ہلنے لگیں
وہ پتّے آ گئے جنبش میں وہ نازک کلیاں کھلنے لگیں

خاموشیٔ شب تحلیل ہوئی چڑیوں کی ترنّم ریزی ہیں
شبنم کی نظر افروزی ہیں پھولوں کی شمیم انگیزی ہیں

ہر شاخ میں رنگا رنگی ہے ہر پھول میں بوقلمونی ہے
ہے ایک تناسب ہر شے میں ہر چیز میں اک موزونی ہے

ہے "جنتِ گوش" اک اک نغمہ ہر منظر ہے "فردوسِ نظر"
پہلو میں دل گھنٹوں رقصاں احساس کا ہو کچھ ذوق اگر

اس وقت عروس فطرت کی زیبائش دید کے قابل ہے
ہر غمزہ اس کا ظالم ہے ہر عشوہ اس کا قاتل ہے
ہر سو ہے سعادت کی تابش ہر سمت ہو بارش رحمت کی
تنویر سحر ہے ایک ضیا رخسارِ عروسِ فطرت کی
موسم نہیں خواب غفلت کا موقع نہیں سہل انکاری کا
اُٹھ اے غافل بیدار ہو اب، ہو وقت یہی بیداری کا
کافر ہے وہ دل اس وقت بھی گر جس دل میں خدا کی یاد نہیں
ملحد بھی اگر دیکھے یہ سماں سجدے میں جھکا دے اپنی جبیں
"پیغام عمل" پھر لائی سحر پھر دنیا اپنے کام میں ہے
سرگرم ہے کوئی طاعت میں اور کوئی شغلِ جام میں ہے

(ولی الرحمٰن ولیؔ)

چنبیلی

تارے سے ہیں چمکتے ہوئے یاسمن کے پھول
حیراں ہیں جن کو دیکھ کے سارے چمن کے پھول

ہیں پھول گر سفید تو ہیں سبز پتیاں
ان سبز پتیوں سے نزاکت بھی ہے عیاں

ہیں لمبی لمبی ڈالیاں چھائی زمین پر
چھتری سی ہے جنھوں نے بچھائی زمین پر

خوشبو عجیب مست ہے پھولوں کے درمیاں
مستی سے جس کی جھومنے لگتے ہیں نوجواں

سیجیں امیر اپنی سجاتے انھیں سے ہیں
دولھا دُلھن کے ہار بناتے انھیں سے ہیں

کلیاں اگر چنی ہوں تو گجرے بناتے ہیں
ہاتھوں میں جنکے یہ ہوں وہ اترائے جاتے ہیں

کیا یاسمن کے پھول خدا نے بنائے ہیں
گویا کہ تحفتاً یہ بہشتوں سے آئے ہیں

(وحیدالدین سلیم پانی پتی)

پہاڑی ندی کا گیت

ندی ہوں میں نالا ہوں میں
آفت کا پر کالا ہوں میں
نکلی ہوں کہسار کے لب سے
مجھ میں ہیں انداز غضب کے
کچھ تو بلندی پست ہوئی ہے
کچھ آبادی دشت ہوئی ہے
زور پہ اپنے جو اترائے
ہاں وہ میری زد پر آئے
شیر کو ہوں روباہ بناتی
پیل کو رنگ خس ہوں بہاتی

مدت سے میں خشک پڑی تھی
ریت کے نیچے چھپکی لیٹی
پھر موسم برسات کا آیا
دل بادل کہسار پہ چھایا
ہاں وہ ٹپ ٹپ بوندیں آئیں
خوشخبری سیلاب کی لائیں
اے اپنی تقدیر کے صدقے
اب تو موسلا دھار ہی برسے

اے لو! صدا یہ کیسی آئی
تن من میں اک آگ لگائی
راگ سُریلے میٹھے میٹھے
بات ہیں جن سے ارگن باجے
آتے ہیں کس کی خبر یہ لے کر
خیمۂ پیشیں کس کے بن کر

جُھر جُھر کرتے شور مچاتے تان لگاتے گیت سُناتے
پہونچے وہ امواج ہمارے نہر لبن کے میٹھے دھارے
دھارے ہیں یہ شان خدا ہیں طوفان ہیں، گرداب بلا ہیں

آندھی سی رفتار ہے میری صرصر ایک پکار ہے میری
کوئی ہے؟ جو سامنے آئے مجھ سے آکر ہاتھ ملائے
کشتی مجھ پر چل کر دیکھے سینہ میرا دَل کر دیکھے
گرچہ میں ایک قہر خدا ہوں آفت ہوں سیلاب فنا ہوں
رحمت بھی ایک نام ہے میرا فیض رسانی کام ہے میرا
روح رواں ریتی کی میں ہوں دشمنِ جاں خشکی کی میں ہوں
مجھ سے ہے سیرابی ساری ہر سو میرا فیض ہے جاری
دیکھو تو گردابِ فنا ہوں سچ پوچھو تو آب بقا ہوں

(محمد شہاب الدین خاں)

فیضِ بہار

اُڑا گلستاں سے مشک و عنبر   مہک مہک کر کیا معطّر
اٹھا پہاڑوں سے ابر گھر کر   برس برس کر بھرے ہیں جل تھل

چمن میں ہر پھول ہنس رہا ہے   بہار کا دخل ہو گیا ہے
خزاں کا رنگ اسقدر اڑا ہے   کہ زرد ہو ہو گئے ہیں بادل

ہوا نے کیا کیا ثمر نکالا   شجر نے مشکل سے ہی سنبھالا
کہیں یہ دیکھا ہے جوش لالا   کمر پہاڑوں کی کھا گئی بل

چمن نے کیا رنگِ سبز پایا   کہ پڑ گیا مہر و مہ پہ سایا
گلوں پہ اس طرح ابر چھایا   چراغ کی لَو پہ جیسے کاجل

ہوا مزاحم نہ کوئی اصلا   رُکا نہ فصلِ خزاں سے رستا
سحاب گلشن میں آن پہونچا   پکڑ کے بادِ صبا کا آنچل

(نظم)

ستاروں کا گیت

آکاس کے نیلے منڈل پر جو تاروں کی گل کاری ہے
صبح اس کی کیا من لیوا ہے وہ سج کیسی پیاری پیاری ہے
اور کاہکشاں جو بیچ میں ہے وہ پھولوں کی پھلواری ہے
کیا نکھرا نکھرا جوبن ہے کیا پیاری پیاری کیاری ہے
تسنیم نکل کر کوثر سے فردوس کے اندر ساری ہے
یا سمجھو دودھ بتاسوں کی آکاس پہ گنگا جاری ہے
اور تارے اس سے ساگر پر کچھ ہنستے ہنستے آتے ہیں
منہ نور سے اپنا دھوتے ہیں اور خالق کے گُن گاتے ہیں
کیا جگمگ جگمگ کرتی ہیں قندیلیں ان مہ پاروں کی
کیا جوت جھلا جھل ہوتی ہے ان سندر روپ ستاروں کی
مت دانے ڈُنکے جان انھیں یہ ہاٹ نہیں بنجاروں کی
یہ ہیرے جھم جھم کرتے ہیں مت بوجھ چتا انگاروں کی
کیا نوری نوری مشعل ہیں ان پیارے پیارے تاروں کی
کیا جھلمل جھلمل کرتی ہیں فانوسیں شب بیداروں کی
کیا روپ انوپ مزیّن ہے جو محفل کو دکھلاتے ہیں
جھمکا کر رنگ شبستاں کا سب خالق کے گُن گاتے ہیں

یہ گول جھمکتا ہالا ہے یا شام کرن کا بالا ہے
نے ہالا ہے نے بالا ہے مہتاب نے حلقہ ڈالا ہے

اور اس حلقے میں بیٹھ رہا بن سادھو بھولا بھالا ہے
تسبیح کو لے کر تاروں کی حق نام کی جپتا مالا ہے

کیا درشن ہے کیا زینت ہے کیا رونق ہے اُجیالا ہے
کیا محفل ہے سنتو کھ بھری جو کرتی چین دو بالا ہے

اس نوری نوری مندر میں جو اپنا دھیان جماتے ہیں
حق نام کی سمرن کرتے ہیں اور خالق کے گُن گاتے ہیں

لے علم کی عینک دیکھ میاں کیا دنیا اوپر بستی ہے
تو سمجھا چھایا جگنو کی یہ تیری وہم پرستی ہے

تو تارا جس کو گنتا ہے یہ دنیا بستی رستی ہے
خود سائنس جس کے دھرتی سی سو لاکھ کی بلکی کیا ہستی ہے

ہر ذرہ اس کا نگری ہے کوئی رہتی جس میں بستی ہے
کہیں جنگل ہے کہیں وادی ہے کہیں ٹیلہ ہے کہیں پستی ہے

دن رات فضا کے آنگن میں سنسار بڑے منڈلاتے ہیں
اور اپنی اپنی بولی میں سب خالق کے گُن گاتے ہیں

(خواجہ دل محمد ایم اے)

بسنت رُت

بسنت رُت کیا جہاں میں آئی پیام دورِ بہار آیا
نظر ہے مستِ شرابِ جلوہ کہ روئے گُل پہ نکھار آیا

اچھوتی کلیوں کے بھی لبوں پر تبسّم بے قرار آیا
نئے شگوفے کھِلانے گویا یہ موسمِ خوشگوار آیا

نصیبِ سبزہ کے جاگ اُٹھے ہیں ستارہ ہے اوج پر چمن کا
جما ہے نقشہ روش روش پر شگفتہ پھولوں کی انجمن کا

شمیمِ گلشن ہے کیف پرور ہوا ہے ڈوبی ہوئی اثر میں
نمو کی تاثیر ہے یہ یکسر کہ تازگی ہے رگِ شجر میں

خوشی سے پھولیں نہ کیوں گُل تر قبائے زرّیں ہے سب کے بر میں
عجیب فرحت فزا ہے منظر بسی ہیں رنگینیاں نظر میں

سماں یہ سرسوں کے کھیت کا ہے کہ زعفران زار کھِل رہا ہے
فضا میں کندن دمک رہا ہے سرور آنکھوں کو مل رہا ہے

کہاں ہے سردی کی سرد مہری شباب جاڑے کا ڈھل رہا ہے
ہوا ہے آغاز عہدِ نو کا، زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

کھلی ہے خوابیدہ چشم نرگس روش پہ سبزہ سنبھل رہا ہے
قبائے غنچہ ہے چاک خوردہ کلی کا دامن نکل رہا ہے

خزاں الم سے چراغ پا ہے کہ آتش گل بھڑک رہی ہے
بہار کی۔ ہے جو آمد آمد، چمن کی قسمت چمک رہی ہے

کنول کے پھولوں سے ہو رہے ہیں کہیں لب جو چراغ روشن
ہے ان کی رنگیں ادائیوں سے منقش آب رواں کا دامن

ہوا کی مسرور جنبشوں سے یہ گل جو ہوتے ہیں عکس افگن
مصفا پانی کے آبگینے میں لہریں لیتا ہے روئے گلشن

نظارۂ دلکشا ہے ہر سو جدھر سین ہے جاذب نظر ہے
بسنت رت کے ہیں سب کرشمے بہار ذروں میں جلوہ گر ہے

(برق)

پیامِ صُبح

اُجالا جب ہوا رخصت جبینِ شب کی افشاں کا
نسیمِ زندگی پیغام لائی صبحِ خنداں کا

جگایا بُلبلِ رنگیں نوا کو آشیانے میں
کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا

طلسمِ ظلمتِ شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا

پڑھا خوابیدگانِ دیر پر افسونِ بیداری
برہمن کو دیا پیغام خورشیدِ درخشاں کا

پکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گُل تو مؤذن ہے گلستاں کا

دیا یہ حکم صحرا میں چلو اے قافلے والو!
چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا

سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے
تو یوں بولی نظارہ دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی
سُلادوں گی جہاں کو، خواب سے تم کو جگاؤں گی

(سر شیخ محمد اقبال)

برسات کی فصل

رُت ہو برکھا کی ساون کی راتیں
ابر کرتا ہے گردوں سے باتیں
چل رہی ہے ہوا سائیں سائیں
آ رہی ہے صدا سائیں سائیں

ابر آتا ہے اُٹھتی ہے بدلی
آگ پانی ہیں بادل میں بجلی
یہ پون چل رہی ہے خزاں پر
اک طلسمات ہے آسماں پر

گرد ہے اب نہ گرمی نہ ہے دھوپ
باغ و صحرا کا ہے ایک سا روپ
ابر ہے برق ہے اور ہوا ہے
دو نگڑے پڑ رہے ہیں مزا ہے

دھوپ کو آ کے ظلمت نے گھیرا
صبح سے شام تک ہے اندھیرا
اب وہ تیزی نہ وہ روشنی ہے
شام سے صبح تک چاندنی ہے

چاند کا راہ کترا کے چلنا
گھر کے چھپنا وہ چھپ کر نکلنا
ابر کا ساتھ ساتھ اسکے پھرنا
نور و ظلمت کا چھن چھن کے گرنا

جب اٹھا ابر سنگیں ہوائیں　　گاہ گھنگھور اٹھیں گھٹائیں
جب ہوا آئی بوچھار آئی　　گاہ بدلی دھواں دھار آئی

جوش باراں کی دونوں ہیں لہریں　　کوہ پر ابر وادی میں نہریں
دن کو قوس قزح شب کو ہالا　　باغ میں گل ہیں جنگل میں لالا

لکّہ ہر ایک پانی کا چشمہ　　اسکی قدرت کا دیکھو کرشمہ
بہتا پھرتا ہے موج ہوا پر　　بہتا دریا ہے اَوج ہوا پر

سمتِ قبلہ سے اٹھیں گھٹائیں　　چلتی ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں
پانی زمزم سے لایا ہی بادل　　خوب ہی گھر کے آیا ہی بادل

نکلا وادی سے یوں جیسے اژدر　　پھیلا دم بھر میں اور جھٹ سمٹ کر
پہنچا وہ دیو سیہ بن کے ہر جا　　سر پہ دیو سیہ تن کے گرجا

تند پر شور گھنگھور سرخوش　　چال پر اسکی مرتے ہیں مے کش
درد دل ہے کسی تشنہ لب کا　　جھکنا آفت کا اٹھنا غضب کا

بھر کے آیا ہے یہ کالے کوسوں — کیا کہیں پیاس بجھتی ہے اوسوں
گھر کے آیا ہے بھر دے گا جل تھل — اب کی خالی نہ جائے گا بادل

ابر کہتا ہے میں پیل تن ہوں — ابر کہتا ہے میں راہزن ہوں
برق کہتی ہے میں فتنہ زا ہوں — برق کہتی ہے میں رہنما ہوں

کہہ رہے ہیں یہ طائر چہک کر — کہہ رہی ہے یہ بجلی چمک کر
دشت و در منزلوں تک ہرے ہیں — دیکھ پانی کے ڈبرے بھرے ہیں

ڈالیاں وجد میں جھومتی ہیں — جھک کے ساحل کے لب چومتی ہیں
ناز کرتی ہیں اترا رہی ہیں — موج دریا کو شرما رہی ہیں

مرغزاروں میں ہرنوں کی ڈاریں — جھیلوں پر سارسوں کی قطاریں
ڈالی ڈالی ہیں مرغ خوش الحاں — اودی اودی گھٹا سے ہیں شاداں

سرمہ اُڑ کر پہاڑوں سے آیا — لہلہاتا جو رنگ اس کا پایا
جس سے روشن ہوئیں یکسر آنکھیں — بچھی جاتی سبزہ پر آنکھیں

اس سے پہنچی جو آنکھوں کو ٹھنڈک   شور تھالوں میں کرتے ہیں مینڈک
نیند کے جھونکے اب آرہے ہیں   مور شاخوں پر چلا رہے ہیں

پھول پھل سے چمن ہیں مرصّع   کون کہتا تھا ہے صاف مطلع
جو اُٹھا ابر ہر جا وہ برسا   لو وہ چمکا وہ گرجا وہ برسا

(سید علی حیدر نظم طباطبائی)
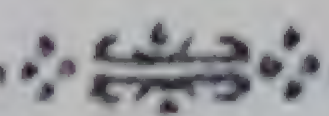
بہار

ہوا جاری و نطرِ اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

بہار آئی زمانے میں جو سرگرمِ نمو ہو کر
خزاں جب ہی گری نظروں سے آخر زرد رو ہو کر

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے
زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہے یہ پھر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

بہارِ دلربا کی شکل قدرت نے سنواری ہے
زمیں کی لاڈلی ہے نیرِ اکبر کی پیاری ہے

گیا فصلِ خزاں کا کوکبِ اقبال پستی میں
بہار اب حکمراں ہے ہر طرف اقلیمِ ہستی میں

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بدنما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

یہ زائیدہ بھی پروردہ بھی سورج کی ہے دنیا میں
حسیں بھی اور بے پردہ بھی ہے بزمِ تماشا میں

پرندوں کی نوا سنجی بڑھاتی ہے یہی آکر
ہوا کے دوش پر بو کو چڑھاتی ہے یہی آکر

دکھاتی ہے یہ تن کر بانکپن اپنا نہالوں سے
جوانی جن کی ہوتی ہے عیاں پھولوں کے گالوں سے

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب انکو منہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہائی اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر یہی پانی سمندر سے ملا جا کر

بہت ہنستا ہے پاکر افسرِ یاقوت انار اس سے
ہوا تاجِ زمرد زیبِ فرق کوکنار اس سے

نسیم آتی ہے کس انداز سے آہستہ آہستہ
دلہن چلتی ہے گویا ناز سے آہستہ آہستہ

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردے سے سبزوں کے نکلنے کا

بھری دیکھی ہوا نے نخلِ گل کی شاخ کلیوں سے ہنسایا گدگدا کر ہو گئی گستاخ کلیوں سے

بڑھی ہی کونپلوں کے پھوٹنے سے رونقِ خوبی کہ ہیں پیشِ نظر دوشیزگانِ قصرِ محبوبی

دُلھن کی شکل ہر گل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے شجر کے جسم پر کیا خوشنما پتّوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیرِ اعظم جو آمادہ سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رُخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے کہ وہ فوج اسپہ غالب آئی جسکی سبز وردی ہے

ہوا خورشید حکمت سے علاج دہر پر مائل کہ ہے اسکی چمک سے برد اطرافِ جہاں زائل

ہے ایسا اعتدال آب و ہوا کے کارخانے میں پتہ ملتا نہیں اب سرد مہری کا زمانے میں

لبھاتی ہی دلوں کو گھاس ہر جانب ہری ہو کر کبھی عاشق مزاجوں کی نگاہوں میں پری ہو کر

زمینِ دشت نے سامانِ آرائش نیا پایا پرندِ سبزہ کا فرش اسنے کیسا خوشنما پایا

ہوئی ہی حُسن کی مے پی کے ایسی جوش سے باہر زمیں کے راز اسکے دل سے اکثر آگئے باہر

نکل آئے حجابِ ارض سے گل پیرہن لاکھوں کہیں ہے سروقد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

بڑھایا جوشِ سودا کو گلوں کے حُسنِ صورت نے دماغ و دیدہ پر قبضہ کیا بو اور رنگت نے

زمیں کے بطن سے اعجازِ مریم ہے مگر پیدا ہوا ہر نخل اس سے مثلِ عیسیٰ بے پدر پیدا

پلاتی ہی شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر محبت سے ہوا منھ چومتی ہے بار بار آ کر

نمو کرنوں سے دیکر مہر اسے مضبوط کرتا ہے لہو اسکی رگوں میں آب زیرِ خاک بھرتا ہے

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہے زمیں انکو جکڑتی ہی زمیں کو وہ جکڑتی ہے

لبھاتا ہی دلوں کو حُسن بڑھ کر اسکے پتّوں میں کہ پانی رنگ بنجاتا ہی چڑھ کر اسکے پتّوں میں

کہا ہمنے کہ دُنیا میں یہ عیسیٰ بے پدر آئے — عدم سے تا وجود ایک اپنی ماں کے زور پر آئے
مگر کیوں سائنس اس کو قابل تسلیم مانے گا — شگوفہ شاخ نخلستانِ مذہب کا وہ جانیگا
سخن سنجانہ علمی مسئلے پر حرف لائے ہم — مگر چلکر اکے آخر فہم کے رستے پہ آئے ہم
گلوں کو ہمنے دیکھا انہیں بھی نر او ر مادہ ہیں — شجر دیکھے تو انہیں کچھ گلوں سے بھی زیادہ ہیں
غرض جو شے ہی وہ مجبور ہے قانونِ فطرت سے — بنا قانون فطرت خالق عالم کی حکمت سے
خزاں قانون کے منسوخ صفحے لیکے آتی ہے — بہار اسکے جدید اوراق رنگیں لیکے آتی ہے
بہار آتی ہے نیچر تخت فیاضی پہ آ بیٹھا — وہ ارواح نباتی کا خزانہ سب لٹا بیٹھا
زمیں نے کام کنجی کا لیا اپنی رطوبت سے — کیا وا اس نے قفل دانہ کو ترکیب فطرت سے
ہوئے ہیں رنگریز چرخ کے ہاتھوں شجر رنگیں — کہ ہی ہر شاخ رنگیں برگ رنگیں اور ثمر رنگیں
وجودِ نخل میں چیزیں یہ ساری خشک بھی تر بھی — شکر بھی اسمیں ہی لوہا بھی ہی پانی بھی پتھر بھی
حجر کے جزو سے اشجار میں سختی کا عالم ہے — چڑھا پانی زمیں سے ریشہ ریشہ اس سے پرنم ہے
عدم سے عالم ہستی میں جو شکل نبات آئی — اُسے نیچر نے دیدی روح وہ لیکر حیات آئی
نہ ہو گر روح اسمیں تو نہ ہو بالیدگی اس کو — عطا کی جس نے روح اسکو اُسی نے عمر دی اسکو
ہی سامان ضرورت یہ شجر کے پاس فطرت سے — ملی ہی ہر شجر کو قوت احساس فطرت سے
بڑھیں شاخیں اسی رُخ جس طرف راہ گزر پائی — چڑھیں بیلیں اسی جانب گرفت اپنی جدھر پائی
شجر جو لالہ و گل کے ہیں سب پہننے والے ہیں — کہ گل شاخوں میں باندوں کے ہاتھوں میں پیالے ہیں
کیا ہی پیکر کو وہ سیہ کو سُرخ لالے نے — لباس لال پہنا ہی جلش کے رہنے والے نے

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا — جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

جمے یوں سبزے کی نوکوں پہ قطرے گر کے شبنم کے — رُکے نوکِ مژہ پر جیسے آنسو چشمِ پُرنم کے

ہوا شبنم کے قطرے وقت شب سبزے کو دیتی ہے — زباں بنکر شعاع مہر دن کو چاٹ لیتی ہے

بہت وارفتہ ہوتی ہے انکھیں رنگیں ادا پاکر — شعاعیں لو سے بازی کرتی ہیں پھولوں سے آ آکر

عیاں سبزے پہ الفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے — بڑھا کر ہاتھ کرنوں کے بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں — کِھلے ہیں پھول لالے کے کہ انگارے دہکتے ہیں

کیا ہے پُرشکن ہر رگ نے پھولوں کی جبینوں کو — غرورِ حُسن ہر صورت سے زیبا ہے حسینوں کو

گری شبنم زمیں پر خشک گل کی پتیاں لیکر — خدا جانے ہوا اب جائیگی ان کو کہاں لیکر

ہوائے موسمی کا دل جو ٹھنڈک پر ہوا مائل — ردائے ابر کی مہر و زمیں کے بیچ میں حائل

دکھائی ابرِ تر نے جھوم کر ایسی سیہ مستی — کہ بیخود ہو کے پھینکے اپنے موتی جانبِ بستی

بخاراتِ ابر بن کر جب ہوا پر پھیل جاتے ہیں — وہ پیڑوں کی کشش سے بنکے پانی کھنچ کے آتے ہیں

دیا نیچر نے جوشِ فیض سے نیساں کو کیا جوہر — ہوا کے دوش پر پانی صدف کے بطن میں گوہر

یہ وہ موسم ہے جو کافور کو ہستی میں لاتا ہے — یہ ہے وہ کیمیا گر بنس لوچن جو بناتا ہے

بڑھا ہے جوش ایسا ملک گیری کی امنگوں کا — کہ قبضہ ہو گیا روئے زمیں پر سبزہ رنگوں کا

وہی رنگت زمیں نے پائی جو آدم سے پہلے تھی — وہی صورت ہے جو آبادیِ آدم سے پہلے تھی

نکھر کر صاف مثل آئینہ ہے نہر کا پانی — کناروں کے شجر کرتے ہیں پانی پر گل افشانی

وہ پانی صاف دیکھی ہوا سے جس نے کچھ کچھ — جبیں شفاف لیکن ناز سے ہے پُرشکن کچھ کچھ

کناروں پر پڑا ابرِ رواں کا سایہ ہاتھ لہروں کے
وہ لہریں سیئے رہا ہے آبجو میں ساتھ لہروں کے

صفائے آب سے روشن ہیں شب تہ زیرِ آب اختر
بھرا ہے بیچ میں پانی فلک نیچے فلک اوپر

شجر کو جب اُگاتی ہے زمیں تب زرد کرتی ہے
ہوا گر زوں سے مگر سبز رنگت اس میں بھرتی ہے

ہوا دانہ شجر دورِ تسلسل آشکارا ہے
شجر سے گل، تو گل سے پھل، تو پھل سے دانہ پیدا ہے

بہارِ حُسن کرتا ہے جو خورشیدِ فلک پیدا
سنہرے رنگ کے پتوں سے ہوتی ہے چمک پیدا

ہوائے شوق کے جھونکے گل کے پیڑوں سے گرتے ہیں
تو پتے اسکے سم کو کھینچکر نابود کرتے ہیں

ہوا کو گرم کرتا ہے جو سورج اپنی گرمی سے
تو سختی پختگی کی آتی ہے دانوں میں نرمی سے

کلی ہل مل کے کرتی تھی یہ گل کیساتھ سرگوشی
کلیدِ باد کھولے گی مرا یہ قفلِ خاموشی

لکیریں پڑ چلی ہیں سب کلی میں جا بجا دیکھو
ہنسی سے پہلے زیرِ لب تبسّم کی ادا دیکھو

نقابِ برگ سے بو کو ہوا باہر نکالے گی
یہ رہ جائیگی ہنسکر اور وہ بو کو اڑا لے گی

طبائع کی اُمنگیں رنگ ابھی موسم میں لاتی ہیں
دلوں سے اٹھتی ہیں ہونٹوں پہ ہولی بنکے آتی ہیں

گلال اور رنگ اُٹھا کر رنگ دیتے ہیں حسینوں کو
چمن ملبوس کو لالہ بناتے ہیں جبینوں کو

پپیہے کو کہیں کوئل سے ہے بحثِ ہم آوازی
کہیں ہے کوکلا کس حُسن سے محوِ نوا سازی

کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں شاما کہیں ہریل
کہیں چنڈول اُڑتا اور گاتا ہے بلندی پر

کسی جا طوطیِ خوش لہجہ کی شیریں بیانی ہے
کہیں چھوٹا لٹورا مائلِ رنگیں بیانی ہے

کہیں بھنگراج دل کو کھینچتا ہے خوشنوائی سے
کہیں مینائیں غل کرتی ہیں آپس کی لڑائی سے

کہیں پیراہنِ پُرزر سے دلکش حُسن موروں کا
کہیں اٹھلا کے چلنا سُرخ پاؤں سے چکوروں کا

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جنکی
ادائیں دلربا جنکی صدائیں نغمہ زا جنکی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو اچھی پھرتی ہو چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

سبق چڑیوں سے شاعر لیتے ہیں رنگیں بیانی کا
شجر سے رنگ اڑا لیتے ہیں خامے گل فشانی کا

گلوں سے مکھیاں رس لیکے شہد اس سے بناتی ہیں
مزے سے بلبلیں آ کے ان کیڑوں کو کھاتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے
کیا بھنوروں کو جوش فیض سے مہمان پھولوں نے

دکھائی پالنے والوں نے مقراضوں کی مشاقی
نہیں ہے اون اب بھیڑوں کے جسموں پر کہیں باقی

زمیں پر مختلف رنگوں سے ہیں کیا خوشنما بوٹے
نگینے ہیں جواہر خانۂ قدرت سے یا بوٹے

وہ موسم آیا ہے آموں کے شجر پھل دینے والے ہیں
یہ گویا پیش خیمہ ہے ثمر اب آنے والے ہیں

نہال اب ہیں شجر پاس انکے سرمایہ ہے پتوں کا
خزاں میں تھی جہاں دھوپ اب وہاں سایہ ہے پتوں کا

کرامت دھوپ اور سایہ سے ہے زیر شجر ظاہر
سحر میں شام ظاہر شام میں نور سحر ظاہر

شجر کے سایہ میں دھوپ آتی ہے پتوں سے چھن چھن کر
چمکتی ہے زمیں تختۂ گل خورشید کا بن کر

زمیں پر آسماں سے چند سیارے اتر آئے
ملی سایہ کی تاریکی تو دن کو وہ نظر آئے

خوش آیا دھوپ میں سایہ کا فیض عام خلقت کو
کہ اسکی سرپرستی سے ملا آرام خلقت کو

چمن میں سر بکف آئے ہیں سب گل تحفہ لائے ہیں
زمیں کی تہ سے شجر کا خزانہ لوٹ لائے ہیں

پئے گلگشت گلگرد آئے تو دیکھا شباب ان کا
بنا ہنس کر چمن میں ہر گل تازہ جواب ان کا

مگر پھولوں کو شجر فیض سے جو رنگ دیتا ہے
وہ آخر گرم ہو کر سورج ان سے چھین لیتا ہے

ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسن فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

(احمد علی شوق لکھنوی)

بدلی کا چاند

خورشید، وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے چاندی کے ورق برسانے لگا

وہ سانولے پن پر میداں کے ہلکی سی صباحت دوڑ چلی
تھوڑا سا اُبھر کر بادل سے، وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

لو ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو، پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں، ظلمت کا قدم تھرّانے لگا

بادل میں چھپا تو کھول دئے، بادل میں دریچے ہیرے کے
گردوں پہ جو آیا، تو گردوں دریا کی طرح لہرانے لگا

سمٹی جو گھٹا، تاریکی میں چاندی کے سفینے لے کے چلا
سنکی جو ہوا، تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا

غرفوں سے جو جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں میں جو دوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا

پردہ جو اٹھایا بادل نے، دریا پہ تبسّم دوڑ گیا
چلمن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دل گھبرانے لگا

اُبھرا، تو تجلّی دوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا
اُلجھا تو سیاہی دوڑا دی، سُلجھا تو ضیا برسانے لگا

کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے، کیا قید ہے کیا آزادی ہے
انسان کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

(جوش)

صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں
اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کاروبار کے ساتھ آئی
میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مُرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے
سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتیں
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتیں
دُموں کو ہلاتی پروں کو پُھلاتیں
مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتیں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطوں نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی
تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی
میں سو سو طرح دے رہی ہوں دُہائی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے — نسیم صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سُرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے — مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں — ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں — بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے — سو نو لکھا وہ ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہی عجب یہ گھڑی ہے — کہ پھلنے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک کر چوکڑی بھر رہے ہیں — کلیلیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں — غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک — زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک — کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا — مؤذن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا — اندھیرا گھٹایا، اُجالا بڑھایا

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل کے ڈیرے کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے دلدّر ہوئے دور آنے سے میرے
اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت
اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

ہوشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو بس اب خیر سے اُٹھ کے منہ ہاتھ دھو لو
اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں،

(اسمٰعیل)
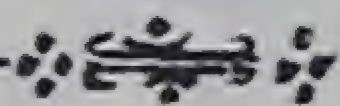
جنگلوں میں

لکھ گئے اپنی کتابوں میں یہ دانایانِ ہند
آدمی پنجاہ سالہ ہو تو بستی چھوڑ دے
جنگلوں میں جا کے فطرت سے کرے کسب سکون
نوجوانوں کے لئے دنیا پرستی چھوڑ دے

میں یہ کہتا ہوں کہ جنگل ہیں جوانوں کے لئے
جنگلوں میں ہیں جوانی کی بہاریں جوش پر
کیا ضعیف العمر کیف اندوز ہو سکتے ہیں جب
لے کے جائیں گے اُمنگوں کا جنازہ دوش پر

محوِ حیرت ہے نظر جنگل میں کیا کیا دیکھئے
بستیوں میں حُسن کی ایسی فراوانی کہاں
ہائے یہ خوش رنگ پھولوں کی سرور افزائیاں
گل بداماانی کہاں یہ عیش سامانی کہاں

دل کی دھڑکن آہ کی سوزش نظر کی وحشتیں
ہیں انھیں چیزوں کی طالب کُنج کی خاموشیاں
چاند کی کرنوں میں پوشیدہ ہے اُلفت کا پیام
ہوتی ہیں کلیوں سے اکثر عشق کی سرگوشیاں

خشک ہے صحرا بزرگانِ معمّر کے لئے
بے مزہ بے کیف ہے پیری میں سامانِ شباب
جستجوئے حُسن ہے افسرؔ تو چل جنگل میں چل
رنگ لائے گا وہاں جوشِ فراوانِ شباب

(حامد اللہ افسرؔ)

ندی کا راگ

بگلوں اور چہوں کے نشیمن سے میں نکل کر ناگاہاں
چشم زدن میں سیل بلا کی طرح جھپٹ کر آتی ہوں

سبزہ کے فرشِ استبرق پر مثلِ درارئ غلطاں
گرد میں لپٹی ہوئی وادی میں پہنچکر شور مچاتی ہوں

کتنی گھاٹیوں کے دامن کو راہ میں آئی جھٹک کر میں
کتنے ٹیکروں اور ٹیلوں کے تلوے میں سہلاتی ہوں

بیسیوں گاؤں اور قصبوں کے پہلو سے نکلی ہٹ کے میں
سیکڑوں پل ہیں مٹھی میں دل جنکا چرا کر لاتی ہوں

زید کے کھیت کے نیچے بہہ کر تھوڑی سی دور یہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمرو زید کی ہستی ہی کیا ہو صبح آئے گئے شام سدھار
مجھ کو دیکھو کہ ایک روش صبح و مسا چلی جاتی ہوں

تان کھرج کی یا پنچم کی چھیڑتی ہوں بیخود ہو کر
ریزۂ سنگ سے تار آب پہ دلکش زخمہ لگاتی ہوں

پاؤں میں جھانجھ بھنور کی پہنے اوڑھے لطافت کی چادر
چھم چھم کرتی ہوئی آپ اپنے حسن پہ میں اتراتی ہوں

بنکر میں مشاطہ کبھی اُلجھاتی ہوں گیسوئے ساحل کو
کھیتوں کا دھو آتی ہوں منھ سیانوں کو نہلاتی ہوں

اور کبھی ساقی بنکے مرتب کرتی سبزے کی محفل کو
ساغر نامیہ بھر کے بنفشہ اور سمن کو پلاتی ہوں

گاتی بجاتی جشن مناتی تھوڑی سی دور یہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمرو زید کی ہستی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھارے
مجھ کو دیکھو کہ ایک روش پر صبح و مسا چلی جاتی ہوں

زیب تن میں کرکے آب رواں کا پاک اور صاف لباس
ساحتِ ہاموں پہ جس دم بل کھاتی ہوئی اٹھلاتی ہوں

اپنے آنچل میں بھر لاتی ہوں کہیں پھول اور کہیں گھاس
گودیوں میں پڑا ہو کو کبھی جھینگے کو کبھی میں کھلاتی ہوں

کف کے عنبریں رنگ کے گالے مجھ پہ کہیں ہیں تیر رہے
مارتی ہوں میں حباب کو گاہے اور کبھی اسکو جلاتی ہوں

لوٹتے لوٹتے رستہ میں بستر پہ سنہری کنکروں کے
میں ٹکرا کے کسی پتھر سے روپہلی چھینٹیں اڑاتی ہوں

بہتی بہتی بس اس انداز سے تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھ کو دیکھو کہ ایک روش پر صبح و مسا چلی جاتی ہوں

اڑتی ابابیلوں کیساتھ زیر و بم میں اڑاتی ہوں
میں کبھی پھسلی اور کبھی رپٹی اور کبھی آنکھ لڑاتی ہوں

سورج کی کرنوں کو اپنے ریت کے ٹاپوؤں پر پیہم
رقص میں لا کر زہرہ کو افلاک پہ میں شرماتی ہوں

دشت نوردی بادیہ گردی کرتی اک انداز سے میں
سبزۂ تر کو چھیڑتی ہوں اور سیدوں میں لہراتی ہوں

لالہ و سنبل کو جو مظاہر عاشق اور معشوق کے ہیں
میٹھی نیند سے گدگدی لیکر چلتے چلتے جگاتی ہوں

جھاڑوں میں جھنکاروں میں صحراؤں میں ویرانوں میں سدا
چاند کو اور تاروں کو میں اپنا میٹھا راگ سناتی ہوں

اپنے ریت کے منڈروں میں کچھ دیر کو لیتی ہوں سستا
اپنے کنارے کی بوٹیوں سے دم بھر کو میں دل بہلاتی ہوں

کاٹتی ہوں اک چکر پھر اور تھوڑی سی دور پہ آخر کار
جا کے چھلکتے دریا کو میں شربت وصل پلاتی ہوں
عمر و زید کی ہستی ہی کیا ہے صبح آئے گئے شام سدھار
مجھ کو دیکھو کہ ایک روش پر صبح و مسا چلی جاتی ہوں

(ظفر علی خاں)

بہار

اٹھلاتی سجاتی مسکراتی — کس ناز سے ہے بہار آتی

کمسن - الھڑ - حسیں - انیلی — چوتھی کی دُلھن نئی نویلی

بوٹا سا قد بہار کے دن — اُٹھتی کوپل اُبھار کے دن

گہنا پھولوں کا زیب تن کر — دھانی جوڑا نیا پہن کر

گھونگھٹ اک ناز سے نکالے — سہرا پھولوں کا منھ پہ ڈالے

ہریالی بنی وطن میں آئی — اک سبز پری وطن میں آئی

اُتری گلشن میں جب سواری — سورج نے آرتی اُتاری

گُل نے زرِ گُل کیا نچھاور — صدقے ہوئی عندلیب اڑ کر

شبنم بھر لائی کورے کورے — شربت سے گلاب کے سکورے

خورشید نے آئینہ دکھایا — کرنوں نے مورچھل ہلایا

نہریں ہر طرف کے لائیں پانی — سبزے نے بچھایا فرش دھانی

خوشیاں اشجار نے منائیں — میووں کی ڈالیاں لگائیں

غنچوں نے چٹک کے لیں بلائیں — بلبل نے چہک کے دیں دعائیں

مرغانِ چمن نے گیت گائے — ہر رنگ کے زمزمے سنائے

چڑیوں نے گا کے دل لبھایا — موروں نے ناچ کر رجھایا

بدلی پھولوں نے اپنی وردی — اودی۔ زنگاری۔ لاجوردی

بھونروں نے یہ گونج کر صدا دی — کوئل نے یہ پھیر دی منادی

معشوقۂ گلعذار آئی — آئی آئی بہار آئی

سُن گُن جو نہیں فصل گل کی پائی — سردی گھبرائی سٹ پٹائی

گردش سے دنوں کی بے خبر تھی — مطلق نہ بسنت کی خبر تھی

معزولی کی اپنی پاتے ہی چھاؤں — اتّر کو کھسک چلی دبے پاؤں

رنگ اڑ گیا پہلے جو جما تھا — گھر مٹ گیا جو بنا ہوا تھا

بیچاری کی کوکھ اُجڑ گئی ہے — پالے پر اوس پڑ گئی ہے

کُہرے پہ گھٹا ہے غم کی چھائی — چہرے پہ ہے چھوٹتی ہوائی

پھوٹی قسمت پہ روتی ہے برف — ہستی گُھل گُھل کے کھوتی ہے برف

رنگت ارض و سما کی بدلی — صورت سیرت ہوا کی بدلی

اطراف جہاں میں مچ گئی عید — پہنچا خطِ استوا پہ خورشید

چرخ چارم پہ ہے نمایاں — فیاض زماں۔ مسیح دوراں

چلتی ہے ہوا اسی کے دم سے — ہے نشو و نما اسی کے دم سے

نیچر کو شعاعیں پالتی ہیں — ہر چیز میں جان ڈالتی ہیں

کرنوں نے گڑی جڑوں میں گھس کر — پیدا کئے یہ نمو کے جوہر

شاخوں میں جڑوں سے چڑھ کے پہنچیں   ڈوڑیں پتوں میں بڑھ کے پہنچیں

سجنے لگیں باغ و بوستاں کو   رنگنے لگیں تختۂ جہاں کو

فیروزی، صندلی، گلابی   خاکی، عنابی، سُرخ، آبی

لاکھی، نارنجی، ارغوانی   طوسی، خشخاشی، آسمانی

کافوری، کاکریزی، لاہی   بادامی، سیاہ زرد کاہی

عباسی، پیازی، زعفرانی   ماشی، زنگاری، سبز، دھانی

ہر اک کا جدا ہی رنگ و روغن   پر سبزہ پہ ہے بلا کا جوبن

سایہ بھی ہی اس میں روشنی بھی   گرمی سے ملی جلی ہے سردی

سبزے کا ابھار کیوں نہ بھائے   ہر فصلِ بہار کیوں نہ بھائے

او آنکھوں کو نور دینے والے   اور دل کو سرور دینے والے

کہساروں پہ تو ہی ڈہڈہایا   گلزاروں میں تو ہی لہلہایا

ساری خلقت ہری ہی تجھ سے   ہر چیز ہری بھری ہی تجھ سے

اللہ رے نمو کی کارسازی   بخشی گلشن کو روح تازی

بادِ سحری چلی جو سَن سَن   اُبھرا ہر شاخ گل کا جوبن

سینوں میں ہوئی امنگ پیدا   ننھی کلیاں ہوئیں ہویدا

چھیڑا جو صبا نے کسمسائیں   کچھ کچھ دبے ہونٹوں مسکرائیں

پھر گل یہ نسیم نے کھلایا   بڑھ کر پہلو میں گدگدایا

سب مارے ہنسی کے کھلکھلائیں — پھولے نہ وہ جامے میں سمائیں

باچھیں گئیں کھل خوشی کے مارے — دم پھول گیا ہنسی کے مارے

خوشبو درج دہن سے نکلی — اترائی ہوئی چمن سے نکلی

کچھ ایسی دماغ میں سمائی — شاخِ گل کو ہوا بتائی

اٹھلاتی ہوئی چلی ادا سے — چُہلیں کرتی ہوئی ہوا سے

گھوڑے پہ سوار تھی ہوا کے — جھونکے گئے بن اُڑن کھٹولے

ہر موج نسیم تھی معنبر — خوشبو سے جہان ہو معطر

پیارا پیارا آسماں جو دیکھا — خلقت کو شادماں جو دیکھا

گھر سے اپنے کسان نکلے — بوڑھے بالے جوان نکلے

تاروں کی چھاؤں منہ اندھیرے — کھیتوں میں پہنچ گئے سویرے

گوڑی جوتی زمیں کمائی — نیچے کی زمین اوپر آئی

بو جوت کے بیڑیاں لگائیں — کچھ لوگوں نے چرخیاں لگائیں

پُر سے پانی کسی نے کھینچا — بعضوں نے ڈھینکلی سے سینچا

برہا کوئی سنبھالتا ہے — نالی کوئی نکالتا ہے

مل مل کے دہاتنیں ہیں گاتی — کُھرپی لئے کھیت میں نراتی

کھیتی پہ نثار ہونے والے — وہ جوتنے والے بونے والے

فارغ ہوئے آج جوت بو کر — پلٹے گھر ہاتھ پاؤں دھو کر

پانی کھیتوں میں بھر چکے وہ   جو کچھ کرنا تھا کر چکے وہ
اس کام سے گو ہوئے وہ آزاد   اب فکر ہے فصل ہو نہ برباد
آفت سے اسے خدا بچائے   امید پہ پانی پھر نہ جائے
بے چین ہیں سخت ہے تردّد   ہر دم کمبخت ہے تردّد
دھڑکا ہے بڑا پڑے نہ افتاد   کھٹکا ہے ہوا کرے نہ برباد
دل میں ہیں یہ وسوسے سمائے   گروہی گیہوں میں لگ جائے
پتّھر نہ پڑیں کہ کھیت ہوں گرد   پالا نہ پڑے کہ پیڑ ہوں زرد
ہو چھوا سے نہ ساری فصل کھو جائے   گیہوں پتلا نہ گر کے ہو جائے
پیڑوں پر ٹڈّیاں نہ چھا جائیں   ہر ہے گورو نہ کھیت کھا جائیں
چوہوں کے کاٹنے کا ڈر ہے   دیمک کے چاٹنے کا ڈر ہے
کھیتوں میں بیج سڑ نہ جائے   کھیتی پر اوس پڑ نہ جائے
دل ٹوٹ گیا پھٹے جو بادل   جی چھوٹ گیا ہٹے جو بادل
پالا جو پڑا تو دل ہوا سرد   سرسوں نہ جمی تو منہ ہوا زرد
خورشید حمل سے ہو ہویدا   نیچر میں کرے امتزاج پیدا
برہم نہ مزاج آب و گل ہو   [illegible] کرنوں کی معتدل ہو
بادل برساوے ابر نیساں   دانے موتی سے رولے دہقاں
شبنم بدھ جا تو ڈالیوں میں   موتی سے پرو دے بالیوں میں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آؤ   اودی اودی گھٹائیں چھاؤ

گھبرا نہ کسان ہے خدا ساتھ
اللہ کے ہیں بڑے بڑے ہاتھ

دنیا کا رفیق تو ہے دہقاں
عالم کا شفیق تو ہے دہقاں

مفلس، قلّاش، بھوکے محتاج
زردار، امیر، صاحب تاج

سب کا تو نے ہے پیٹ پالا
تیرا ہو جہاں میں بول بالا

تیری فیاضیاں ہیں مشہور
کیوں کر نہ ہو تجھ پہ ہند مغرور

یارب برسائے ابر رحمت
لگ جائے ٹھکانے اسکی محنت

نیت میں ہو پھل جناب باری
محنت ہو سپھل جناب باری

ٹھنڈے جھونکے چلیں خدایا
شاخیں پھولیں پھلیں خدایا

ہاں جوش نمو بڑھے الٰہی
یہ بیل منڈھے چڑھے الٰہی

پودے جو نہال ہوں تو بنجائے
دہقاں خوشحال ہوں تو بنجائے

اے ابر کنوں بہ ہوش درآ
اے رحمت حق بہ جوش درآ

گاڑھی ہے کسان کی کمائی
باشد کہ بروکرم نمائی

دکھلایا دعا نے یہ نتیجا
آہوں سے فلک کا دل پسیجا

نکلا تیزی سے مہرِ انور
حدّت سے بھڑک اٹھا سمندر

کرنوں کی ادھر بڑھی شرارت
پانی کی ادھر بڑھی حرارت

قلزم کے بدن میں لگ گئی آگ
منھ پر غصّے سے آگیا جھاگ

اک جوش میں آیا بحرِ ذخّار
دل بادلوں کے چڑھے دھواں دھار

چھایا بڑھ کر فلک پہ مارا
چھانا دل کا بخار سارا

خورشید کو بادلوں نے گھیرا | عالم میں چھا گیا اندھیرا

کرنوں سے ہوا لطیف ہو کر | چلنے لگی بن کے باد صر صر

بادل ڈرتے ہوا سے بھاگے | باتیں کرتے ہوا سے بھاگے

میدانوں میں بڑھ کے آ گئے وہ | کہساروں پر چڑھ کے چھا گئے وہ

ٹکرائے پہاڑ سے کہیں پر | جھلا کے برس پڑے وہیں پر

اونچی نیچی پہاڑیوں پر | دھاریں گرتی ہیں لڑکھڑا کر

چشمے کہیں زور کر رہے ہیں | نالے کہیں شور کر رہے ہیں

نہریں اٹھلاتی جا رہی ہیں | لہریں موجیں اڑا رہی ہیں

سبزے سے ہرا ہے دامن کوہ | پھولوں سے بھرا ہے دامن کوہ

تختہ ہے چمن کا یا پہاڑی | گملا پھولوں کا یا کہ جھاڑی

سبزے کا پہاڑ پر یہ انداز | جیسے چہرے پہ سبزہ آغاز

گھاٹی پھولوں سے رشک گلزار | دانتی پہ درخت سلسلہ وار

معشوقۂ سبزہ رنگ ہے گھاس | ہر پھول میں ہے دلھن کی بو باس

بیلیں ہیں پڑی ہوئی شجر پر | بندھن واری بندھی ہی در پر

چرتے ہیں ہرن پرے جمائے | پھرتے ہیں کنوتیاں اٹھائے

مستی میں کلیلیں کر رہے ہیں | میداں میں طرارے بھر رہے ہیں

کٹھوں میں چھپے ہوئے ہیں زہاد | دنیا کو بھولی ہوئی خدا یاد

چھپ بیٹھے ہیں دھونیاں رمائے | اللہ سے اپنے لو لگائے

جل پیتے ہیں کھائے جنگلی پھل جنگل میں مناتے ہیں منگل
پھل پھول پہ کرتے ہیں قناعت تنہائی میں کرتے ہیں عبادت
صانع کی دیکھتے ہیں صنعت اللہ کی دیکھتے ہیں قدرت
ہر شے سے عیاں ہے نور اس کا ہر رنگ میں ہے ظہور اس کا
افلاک و زمیں ۔ نجوم و حیواں دھات اور نبات جن و انساں
جھیلیں، دریا، پہاڑ چشمے اسکی قدرت کے ہیں کرشمے
مرغان چمن سروں میں گاؤ توحید کے زمزمے سناؤ
نہرو پھر پھر کے ہو عبادت جھرنو گر گر کے ہو عبادت
سر سجدے کو خم کر او ثمر تو جھک جا او شاخ بارور تو
مرغان چمن چہک اٹھو تم گلہائے چمن مہک اٹھو تم
بلبل کی زباں پہ قال آئے پتّی پتّی کو حال آئے
قدرت کے ہیں ہتھکنڈے نرالے دیکھیں آنکھوں سے آنکھوں والے
تازہ کیا جسم و جاں کو اس نے سرسبز کیا جہاں کو اس نے
ہے رشک جناں ہر ایک گلشن ہر پیڑ پہ ہے بلا کا جوبن
رک رک کے نسیم چل رہی ہے سبزے پہ ہوا مچل رہی ہے
گیہوں کے کھیت دھانی دھانی تختے سرسوں کے زعفرانی
السی کھیتوں میں کچھ تو اودی کچھ سرمئی اور کچھ کبودی
ٹیسو سے ہے لال لال جنگل منظر پر ہے ملے گلال جنگل

آتے ہی بسنت مدہ پہ آئیں
شاخیں آموں کی بور لائیں

کوئل کوکی تو آئے بادل
سر پر گلشن کے چھائے بادل

اوپر چھائی ہوئی گھٹا ہے
نیچے پریوں کا جمگھٹا ہے

شکلیں نکھری ہوئی ہیں سب کی
زلفیں بکھری ہوئی ہیں سب کی

سحر انکھڑیوں میں، بال میں جادو
نظروں میں فسوں، بیاں میں جادو

مستانی ادا، نشیلی آنکھیں
تیکھی چتون، رسیلی آنکھیں

بانکی وہ چھب، وہ ترچھی چتون
شوخی، طراری، چلبلاپن

جو ہے وہی کھیلتی ہے ہنس کر
اک اک کو ڈھکیلتی ہے ہنس کر

انداز سے آ رہی ہے کوئی
منہ پھیر کے جا رہی ہے کوئی

ہنستی پھرتی ہے کوئی تنتی
جوڑا پہنے ہوئے بسنتی

کوئی کرتی ہے چھیڑ خانی
دکھلا کے کسی کو کچھ نشانی

کوئی پڑی آہ کر رہی ہے
کوئی کھڑی واہ کر رہی ہے

کلیاں چن چن کے توڑتی ہیں
آپس میں شگوفے چھوڑتی ہیں

کھل کھیلی ہیں راگ لا رہی ہیں
مل مل کے بسنت گا رہی ہیں

دنیا تو بہار سے ہے مسرور
ہے برقؔ کا سوز دل بدستور

واں دشت چمن ہرے ہوئے ہیں
یاں داغ کہن ہرے ہوئے ہیں

گل بے رخ یار خوش نباشد
بے یار بہار خوش نباشد

(منشی جوالا پرشاد برقؔ)

تربینی

(۱)

پریاگ پہ بچھڑی ہوئی بہنیں جو ملی ہیں   پانی کی زمیں پر بھی تو کلیاں سی کھلی ہیں

کچھ گنگا کا رُکنا

کچھ جمنا کا جُھکنا

پھر دونوں کا ملنا

وہ پھول سے کھلنا

کس شوق سے اٹھلاتی ہوئی ساتھ چلی ہیں   یہ عشق و محبت کے نظارے ازلی ہیں

(۲)

کہتے ہیں کہ جنت سے چلی آئی ہی بہن ایک   گو تینوں کا ہی اصل میں گھر ایک وطن ایک

گھر جب سے چھٹا تھا

دل سرد ہوا تھا

وہ کوہ سے گرنا

وہ دشت میں پھرنا

راتوں کو وہ سنسان بیاباں میں چلنا   سہمے ہوئے تاروں کا وہ سینے پہ مچلنا

(۳)

تنہا وہ سفر دشت میں میدان میں بن میں   خاموش پہاڑوں میں گلستاں میں چمن میں

جنگل سے نکلنا

رُکتے ہوئے چلنا

کچھ بڑھ کے پلٹنا

ڈر ڈر کے سمٹنا

مر مر کے اکیلے یہ گزارا ہے زمانہ   جیسے کوئی دنیا میں نہ ہو اپنا یگانہ

(۴)

خالی کبھی جاتی نہیں بے لفظ صدائیں   آخر کو اثر کر گئیں خاموش دعائیں

جاگا ہے مقدّر

پریاگ پہ آ کر

اب غم نہ سہیں گے

تنہا نہ رہیں گے

پریاگ پہ بہنوں کو ملایا ہے خدا نے   مدّت میں یہ دن آج دکھایا ہے خدا نے

(۵)

کیا جوشِ محبت سے بغلگیر ہوئی ہیں   وارفتگیٔ شوق کی تصویر ہوئی ہیں

اللہ رے محبت

سرمایۂ راحت

یہ کس کو خبر تھی

دل ملتے ہیں یوں بھی

ہونگی نہ جدا حشر تک اب ایسی ملی ہیں   خوش بہنیں ہیں یا پانی پہ کلیاں سی کھلی ہیں

(حامد اللہ افسر)
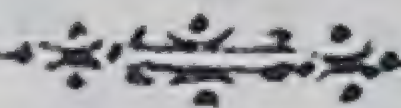
نغمہ

ارے قلب کو زندگی دو جِلاؤ حقیقت کی محفل سے پردہ اُٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ کچھ اس طرح تا دیر نغمہ سُناؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

مہکتے ہوئے پھول کے پاس جاؤ لچکتی ہوئی شاخ پر بیٹھ جاؤ
ہوا میں کبھی اُڑ کے بازو ملاؤ کبھی صاف چشموں میں غوطہ لگاؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

پُھدک کر ادھر سے اُدھر دوڑ جاؤ چہک کر ادھر سے اُدھر پَر ہلاؤ
چہک کر کبھی شاخ پر چہچہاؤ اُچھل کر کبھی نہر پر گنگناؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

کبھی برگ تازہ کو منہ میں دباؤ کبھی کُنج میں بیٹھ کر پھڑ پھڑاؤ
کبھی گھاس پر لوٹ کر دل لبھاؤ کبھی جا کے بیلوں کو جھولا بناؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ میں غفلت میں ہوں دل پہ چرکا لگاؤ
کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ مجھے اپنے نغموں کے معنے بتاؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

میں بے تاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ
نہ جھجکو نہ سمٹو نہ کچھ خوف کھاؤ مرے پاس آؤ میرے پاس آؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

(جوشؔ)

بھونرے کی بیقراری

نہ وہ کیتکی کی پھبن رہی — نہ وہ موتیا کی ادا رہی
نہ وہ نسترن نہ سمن رہی — نہ وہ گل رہے نہ فضا رہی
نہ گلوں کے اب ہیں وہ قہقہے — نہ وہ بلبلوں کے ہیں چہچہے
نہ غزل سرا وہ کوئی رہے — نہ وہ قمریوں کی صدا رہی
نہ وہ سرو ہے نہ وہ آب جو — نہ وہ ہمصفیر ہیں خوش گلو
نہ بنفشہ ہے نہ وہ ناز بو — نہ وہ جعفری نہ حنا رہی
نہ وہ صبح کی ہیں تجلّیاں — نہ شفق کی آہ! وہ جھلکیاں
نہ وہ اودی اودی ہیں بدلیاں — نہ وہ بھینی بھینی ہوا رہی
نہ اُمنگیں ہیں وہ شباب کی — نہ وہ پتّیاں ہیں گلاب کی
نہ ہوا میں بو ہے شراب کی — مجھے مست تھی جو بنا رہی
وہ کنول غضب کے تھے دلربا — جہاں اُڑتے تھے مرے ہم نوا
مگر اب نہ انکی ہے وہ ادا — نہ وہ نور ہی نہ صفا رہی
لب آب جو تھی فضا غضب — وہ بہار کی تھی ہوا عجب
مرے کنج میں مجھے روز و شب — مئے بیخودی تھی پلا رہی

وہ غضب کی کوکو وہ زمزمہ — وہ سُریلی درد بھری صدا
سرِ شام سرو پہ فاختہ — مجھے لوریاں تھی سُنا رہی

ہیں کنول کی خشک جو پتیاں — مری خواب گہہ تھی کبھی یہاں
یہیں شب کو دے دے کے تھپکیاں — تھی نسیم مجھ کو سُلا رہی

یہاں ننھی جوہی کی اک کلی — جو بہار کے نازوں کی تھی پلی
مجھے لگتی جس کی ادا بھلی — مجھے کنج میں تھی بلا رہی

یہاں گل شگفتہ تھے جا بجا — یہاں ننھا ڈیزی تھا ہنس رہا
یہاں مسکراتی تھی موتیا — یہاں چمپا ادا تھی دکھا رہی

نہ گلوں میں بوئے وفا رہی — نہ وہ دل فروز ادا رہی
نہ چمن رہا نہ فضا رہی — نہ وہ دن رہے نہ ہوا رہی

نہ روش رہی اب وہ سپہر کی — نہ گلوں میں بو ہے وہ قہر کی
کہ ہوا ہے گلشنِ دہر کی — مجھے سبز باغ دکھا رہی

(سرور جہان آبادی)

جُگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرّہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حُسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جسکو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں تھی ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے نوا کو
گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلھن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی موجوں کو بے کلی دی

اک مشتِ گل میں رکھا احساس کا شرارہ　　انساں کو آگہی کیا ظلمت کو چاندنی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہو جو رات ہے ہماری

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے　　انساں میں وہ سخن ہو غنچہ میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا　　واں چاندنی ہو جو کچھ یاں درد کی کسک ہے
اندازِ گفتگو نے دھوکے دئیے ہیں ورنہ　　نغمہ ہے بوئے بلبل بو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہو گیا ہو وحدت کا راز مخفی　　جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جب کہ پنہاں خاموشی ازل ہو

(اقبال)

دھرتی ماتا

یاد ہے مجھ کو جب میں چڑھ کر
ایک پہاڑی کی چوٹی پر
شاخ پہ ایک درخت کے بیٹھا
کرتا تھا میں تیرا نظارا
کوسوں تک وہ تیرا سبزہ
دھانی، ماشی، کاہی، بھورا
کوسوں تک وہ تیرے میداں
ستھرے صاف چٹیلے میداں
چھٹکی چھٹکی جھاڑیاں اس پر
قدرت کی گلکاریاں اس پر
تال، تلیاں، دریا، ریتی
باغ، چمن، آبادی کھیتی
ایسے تھے سب میری نظر میں
پائیں باغ ہو جیسے گھر میں
جب میں یہ سب دیکھ رہا تھا
خوش تھا دل اور یہ کہتا تھا
حد نظر کو اور بڑھاؤں
ایسی بلندی پر چڑھ جاؤں
ایسی چوٹی پر جا بیٹھوں میں
صاف جہاں سے دیکھ سکوں میں
شہر اور صوبے گاؤں اور قصبے
بکھرے بکھرے چھٹکے چھٹکے
سارا قدرت کا فرنیچر
میرے آگے آئے سمٹ کر
ساری انسانی آبادی
یعنی دنیا کی آبادی
میرے آگے کھیل رہی ہو
روتی گاتی اور ہنستی ہو
اس محویت میں جب میں تھا
مجھ کو ہوا معلوم کہ گویا

کوئی مجھ کو کھینچ رہا ہے
چونک پڑا میں کون ہی کیا ہے

(نادر کاکوروی)

برسات کی بہار

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی — پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن — سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لیکے سلونوں کو برہمن نکلیں — تار بارش کا جو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید — ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل
وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع — گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لیکر مشعل
ابر میں چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے — برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل
جس طرف سے گئی بجلی پھر ادھر آ نہ سکی — قلعۂ چرخ میں ہیں بھول بھلیاں بادل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ — چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل
جگنو پھرتے ہیں جو گلشن میں تو آتی ہے نظر — مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول
جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل   سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سو اور پیدل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل   تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل   رنگ میں آج کنہیا کے ہے ڈوبا بادل
سطح افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی   روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل
چرخ پر بجلی کی چل پھر ہے نظر آتا ہے   سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش   کسی بیدرد کو دکھلائے کرشما بادل
دل بیتاب کی ادنی اسی چمک ہے بجلی   چشم پر آب کا ہو ایک کرشما بادل
طپش دل کا اڑایا ہوا نقشہ بجلی   چشم پر آب کا دھویا ہوا خاکا بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے   میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل
کچھ نہیں کھیل نہیں جوشش گریہ کا ضبط   یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل

دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری
نہ گرجتا نہ برستا کبھی ایسا بادل

(محسن)

برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے   لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے   آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر سے برسے
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اٹھا کر   ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
"ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر   کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر"
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں نے پھر آ گھٹا جو چھائی   بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی   بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آ کر کبھی مزے کی ننھی پھوار برسے   چہروں کا رنگ ٹپکے حسن اور نکھار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے   چھاجوں اُمنڈ کے پانی موسل کی دھار برسے
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینھ کی دھاریں   اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں   اور مور مست ہو کر جھڑ جھڑ کو کلا چنگاریں
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا   برسے ہے مینھ جھڑ جھڑ پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک پل پل کے ہے نہاتا   غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا
آ یار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(نظیر)

ترانۂ بیداری

وقت سحر ہے سونے والو دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو لطف سحر کو کھونے والو
جاگ اُٹھا ہے پتّہ پتّہ غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے نکہت تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلّ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں نغمے جن کے جانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے حمد خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری کرتی ہے سجدۂ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے دست دعا شاخوں نے اٹھائے
محو یاد خدا ہے سبزہ سر بسجود پڑا ہے سبزہ

شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے، خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقت نماز دعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا وقت نہیں یہ خواب گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے جانب مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یاد خدا ہے یاد خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیوں کہ یہ عالم دار فنا ہے اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہے مسافر اس دنیا میں جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقت سحر گر رہرو سوئے غفلت میں گر وقت کو کھوئے
چلنے سے ہو گر وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل

تجھ کو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ جاگ اُٹھ وقت سحر ہے

(محروم)
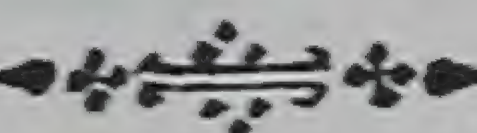
روانی دریا

وہ سوودی سخن گوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال

لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب
دکھائی ہے شکلِ روانیِ آب

جو بہتا ہے پانی میان لڈور
اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور

مناسب جو انگلش مصادر ملے
مقفّٰی کئے ان کے سب سلسلے

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن
کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن

دکھاؤں روانیٔ دریائے فکر
کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر

عجب ہی نہیں انکی اس پر نظر
کجا میں، کجا سوودیٔ نامور

سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں
نہیں سہل اس راہ کی منزلیں

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں
وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق
ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق

اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط
معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا
غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا

اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا
اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا

روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
پھنکتا ہوا غل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا — اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف منھ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموّج کا راگ — وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا — تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
لپٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا — یہ پھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا — اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور بچپتا ہوا — دباتا ہوا اور لچپتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا — وہ خاکی کو سیمی بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا — ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا — ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا — نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اُچکتا ہوا اور اُڑتا ہوا — اٹکتا ہوا اور مُڑتا ہوا

وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا ‏ ‏ زمینوں کو شاداب کرتا ہوا

یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا ‏ ‏ وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا

یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا ‏ ‏ وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا ‏ ‏ اُمنڈتا ہوا سنسناتا ہوا

چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا ‏ ‏ سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا

ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا ‏ ‏ حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا

تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا ‏ ‏ شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں ‏ ‏ بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودی کا سیلاب آبِ لڈور

یہ بحرِ خیالاتِ اکبر کا زور

(اکبرؔ)

تارے

آکاس کے نیلے منڈل پر جو تاروں کی گل کاری ہے
سج اس کی کیا من لیوا ہے، دھج کیسی پیاری پیاری ہے
اور کاہکشاں جو بیچ میں ہے، وہ پھولوں کی پھلواری ہے
کیا نکھرا نکھرا جوبن ہے، کیا پیاری پیاری کیاری ہے
تسنیم نکل کر کوثر سے، فردوس کے اندر ساری ہے
یا سمجھو دودھ بتاسوں کی، آکاس پہ گنگا جاری ہے
اور تارے جب اس ساگر پر، کچھ ہنستے ہنستے آتے ہیں
منھ نور سے اپنا دھوتے ہیں اور خالق کے گن گاتے ہیں
کیا جگمگ جگمگ کرتی ہیں قندیلیں ان مہ پاروں کی
کیا جوت جھلا جھل ہوتی ہے، ان سُندر روپ ستاروں کی
مت دانے دُنکے جان انھیں، یہ ہاٹ نہیں بنجاروں کی
یہ ہیرے جھم جھم کرتے ہیں، مت بوجھ چتا انگاروں کی
کیا نوری نوری مشعل ہیں، ان پیارے پیارے تاروں کی
کیا جھلمل جھلمل کرتی ہیں فانوسیں شب بیداروں کی
کیا روپ انوپ مزین ہے جو محفل کو دکھلاتے ہیں
جھمکا کر رنگ شبستاں کا سب خالق کے گن گاتے ہیں

(خواجہ دل محمد)

ظرافت

برسات اور پھسلن

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا
بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں مینھ بھی آکے سراسر پھسل پڑا
چھتّا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جھڑیوں نے اسطرح کا دیا آکے جھڑ لگا
سنئے جدھر اُدھر کو دھڑا دھڑ کی ہی صدا
کوئی پکارے ہی مرا دروازہ گر چلا
کوئی کہے ہی ہائے کہوں میں بتاؤں کیا
تم در کو جھینکتے ہو، مرا گھر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کی پھسلنے کی ہی زمیں
نکلے جو گھر سے اسکو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمین کے اُوپر پھسل پڑا

چکنی زمیں پہ یاں نہیں کیچڑ ہے بے شمار
کیسا ہی ہوشیار پہ پھسلے ہی ایک بار
نوکر کا بس کچھ اس میں نہ آقا کا اختیار
کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنے بار

آقا جو ڈگمگائے تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی، اور کوئی بازار میں گرا
کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رپٹ گیا
اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا

وہ اپنے گھر کے صحن میں آ کر پھسل پڑا

(نظیر اکبر آبادی)
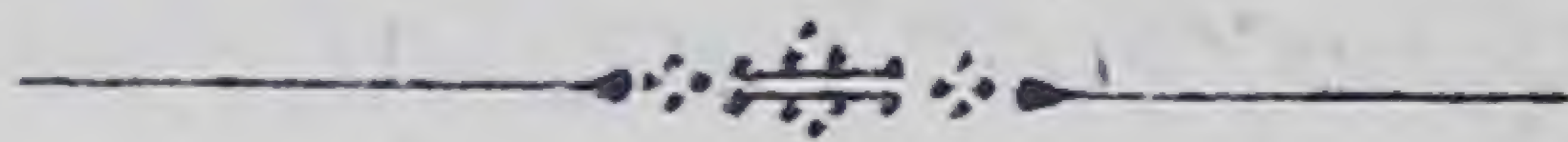
زندگی کی کشمکش

اک مرے دوست نہایت ہی تھے آزاد منش
ناک پر بیٹھنے دیتے نہ تھے مکھی زنہار

سہہ نہ سکتے تھے ذرا بات کسی افسر کی
مارنے مرنے پہ ہو جاتے تھے فوراً تیار

جس جگہ نوکری کرتے تھے وہاں سے آخر
تھوڑے ہی دن میں نکلجاتے تھے کر کے تکرار

الغرض تفرقہ تقدیر نے ڈالا ایسا
یاں دکھن میں رہے ہم، اور وہ گئے گنگا پار

دس برس بعد جو پھر اُن سے ملاقات ہوئی
اور ہی کچھ نظر آئے مجھے ان کے اطوار

میں نے پوچھا کہو کس طرح سے گذری ابتک
اسقدر عرصہ میں کس کس سے کی جوتی پیزار

اتنی مدت میں کہو کتنے سرشتے دیکھے
آخر اب کون سے دفتر میں لیا تم نے قرار

تم کسی شخص کو سرکار نہ کہتے تھے کبھی
اب بھی کیا اسکو سمجھتے ہو وہی ذلّت و عار

بھر کے اک آہ کہا، میری کہانی نہ سنو
عرض کیا تم سے کروں اپنی میں اجلالت زار

آئی شامت تو یہاں آن کے شادی کر لی
اس پہ طرّہ یہ ہوا، ہو گئے بچّے دو چار

خانہ داری کے بکھیڑوں نے پھر ایسا گھیرا
رات دن پیچھا نہیں چھوڑتے گھر کے افکار

ڈاکٹر خانہ سے ملتی نہیں فرصت مجھ کو
لڑکی بیمار تھی کل، آج ہے لڑکا بیمار

جب تلک تھا تن تنہا مجھے کچھ فکر نہ تھی
پیٹ کا پالنا اپنے نہ تھا کچھ بھی دشوار

نوکری چھوڑنا اک کھیل نظر آتا تھا
فکر ہوتی نہ تھی رہتا تھا مہینوں بیکار

اب اگر نوکری چھوڑوں تو قیامت ہو جائے — پاس کوڑی نہیں بیکار کو دے کون اُدھار

ایک سو دس مجھے ملتے ہیں علاوہ الاٹمنٹ ہیں — نوکری اس کو کہوں یا کہ خدا کی پھٹکار

سخت افلاس سے بس اس میں بسر ہوتی ہے — بیس دن بعد سے کرتا ہوں میں پہلی کا شمار

چھ برس گزرے کہ دانتوں سے اسے پکڑے ہوں — سنتا رہتا ہوں ہر اک چھوٹے بڑے کی دُھتکار

حیف صد حیف زمانے نے مرا بل توڑا — نہ وہ صورت رہی باقی، نہ وہ سیرت نہ شعار

اب تو یہ حال ہے شبیر کہ چپراسی بھی
مجھ کو آواز اگر دے تو کہوں جی سرکار

(شبیر اکبرآبادی)

بائیسکل

کسی صبح کو عشرت آباد میں
سراپا بسی عطر ایجاد میں

جلو میں جو سلور، خواصی میں نکل
خوش اسلوبیوں سے چلی بائیسکل

سرکتی ہوئی سرسراتی ہوئی
لچکتی ہوئی تھرتھراتی ہوئی

کہیں کودتی، اور لپکتی ہوئی
کہیں ناچتی، اور تھرکتی ہوئی

کہیں سیدھ میں جاکے مڑتی ہوئی
کہیں اوج پر چڑھ کے اڑتی ہوئی

نزاکت سے چڑھتی، اترتی ہوئی
اترنے میں سو گل کترتی ہوئی

ہجوموں میں چلتی سماتی ہوئی
ہر آفت سے بچتی بچاتی ہوئی

کہیں ملتے ملتے جھجھکتی ہوئی
کہیں چلتے چلتے اُچکتی ہوئی
کہیں خاصی گھوڑ دوڑ کرتی ہوئی
کہیں جست سے جیب بھرتی ہوئی

کہیں ریل کے منھ پہ چڑھتی ہوئی
کہیں میل سے آگے بڑھتی ہوئی
کہیں چستیوں کو بڑھاتی ہوئی
کہیں سستیوں کو اُڑاتی ہوئی

طبیعت کو تائید دیتی ہوئی
ہر اک عضو سے کام لیتی ہوئی
لُہو کو رگوں میں پھراتی ہوئی
پسینے کے موتی لُٹاتی ہوئی

ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چلاتی ہوئی
طبیعت کے غنچے کھلاتی ہوئی
جھلکتی ہوئی، جھلملاتی ہوئی
چمکتی ہوئی جگمگاتی ہوئی

ترارے کبھی بن میں بھرتی ہوئی
اُچھلتی ہوئی جست کرتی ہوئی

کہیں چشم کی طرح پھرتی ہوئی
کہیں برق کی طرح گرتی ہوئی

کہیں جا کے رُکتی، اٹکتی ہوئی
کسی جا چٹکتی، مٹکتی ہوئی

زمیں سے چمٹتی لپٹتی ہوئی
ہوا میں اُلٹتی پلٹتی ہوئی

کہیں گرنے گرتے سنبھلتی ہوئی
کہیں رُکتے رُکتے نکلتی ہوئی

جھپٹتی، ڈپٹتی، رپٹتی ہوئی
گھسٹتی، پھسلتی، اُچٹتی ہوئی

سُلجھ کر کہیں پھر اُلجھتی ہوئی
اُلجھ کر کہیں پھر سلجھتی ہوئی

بہت ہو چکی برق سے نوک جھوک
بس اب سائیکل اپنی شہباز روک

(شہباز)

ہمارے شہروں کے راہرو

اک گاڑی والے سے کسی منشی نے یہ کہا
تم لوگوں کے ستم سے بہت دلفگار ہیں
"تم ہانکتے ہو گاڑی سدا اس بُری طرح
جو زد پہ آ گئے وہ تمہارے شکار ہیں"
کی عرض گاڑی والے نے اُس اعتراض سے
ثابت ہوا کہ آپ بہت ہوشیار ہیں
حضرت! ہیں صدہا قسم کے رہرو جہان میں
کس کس کو ہم بچائیں کہ بے اختیار ہیں
کرتے ہیں باتیں بیچ سڑک میں کھڑے ہوئے
اس قسم کے گدھے بھی کوئی دس ہزار ہیں
آواز دو تو کان پہ چلتی نہیں ہے جُوں
کہہ بیٹھو کچھ تو مستعد کارزار ہیں
فکر اپنے مرنے جینے کی اُن کو نہیں ہے کچھ
گویا کہ ان کی جان کے ہم ذمہ دار ہیں

بہرے بھی ہیں بہت سے بہت سے ہیں باؤلے
کچھ کھاتے ہیں افیم تو کچھ بادہ خوار ہیں

معذور لنگڑے لولوں کا نمبر ہے اسکے بعد
جو یاں گھسٹتے پھرتے سرِ رہگذار ہیں

بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں سڑکوں پہ کھیلتے
ان شہریوں میں ایسے بھی بعضے گنوار ہیں

اس خوف سے کہ دیر پہنچنے میں ہو نہ جائے
چلتے عجیب ڈھنگ سے بعض اہل کار ہیں

بند آنکھیں ہوش باختہ سر جھاڑ منھ کو پھاڑ
دفتر کو جاتے جوں شتر بے مہار ہیں

رہتی ہے جن کی ناک پہ عینک چڑھی ہوئی
اس وضع کے بھی کوتہ نظر بے شمار ہیں

القصہ آپ ہانکئے گاڑی تو ہو خبر
ہے سوجھتا جو اک کو تو اندھے ہزار ہیں

(علی شبیر شبیر)

مجنوںؔ اور مجنوںؔ کی ساس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ ہمیں تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
سُناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ کیا ہے جس کو میں نے زیب قرطاس
کہا مجنوںؔ سے یہ لیلیٰ کی ماں نے ق کہ بیٹا تو کرے ایم۔ اے اگر پاس
تو فوراً دوں بیاہ لیلیٰ کو تجھ سے بلا وقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سُنائی کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
بڑی بی! آپ کو کیا ہو گیا ہے ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی مجھے سمجھا ہے کوئی ہر حریداس
یہی ٹھہری جو شرط وصلِ لیلیٰ
تو استعفیٰ مرا باحسرت و یاس

(اکبر الہ آبادی)

برسات کی شب برات

بگڑی ہی کیا انار پٹاخوں کی اب کے بات
ساون میں اتفاق سے آئی شب برات

بارود ہے خراب پٹاخے ہیں پھسپھسے
کمزور ہیں انار، چھچھوندر ہے واہیات

مہتاب میں مزا ہی نہ کچھ پھلجھڑی میں لطف
پیسے ہمارے مفت گئے یونہی آٹھ سات

پیسے گئے فضول تو خیر اس کا غم نہیں
ہے سال بھر کے کھیل کی گویا یہی زکوٰۃ

پاتا ہے اس جہان میں کچھ کھو کے آدمی
آئندہ ایسے کھیل پہ ماریں گے ہم بھی لات

بس چھوڑ کھیل کود کہ حلوا ہے گرم گرم
شامل ہے جس میں ذائقۂ قند اور نبات

شیریں ہے خوش قوام ہے چٹ کیجئے اسے
حلوہ کی چاشنی سے ہے مصری بھی آج مات

بدعت کہو، گناہ کہو یا چھٹور پن
اچھا نہیں سمجھتا اسے زمرۂ ثقات

بچوں کے واسطے ہے خورد و نوش کھیل کود
اصحاب اتقا کے لئے صوم اور صلوٰۃ

جاگیں گے آج اہل عبادت تمام شب
درگاہ کبریا سے کریں گے طلب نجات

(اسمٰعیل)

متفرّقات

ہمارا طرزِ حکومت

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

قرابت افغان ہند سے "اکبر" نے جب چاہی
کہ یہ رشتہ عروسِ کشورِ آرائی کا زیور تھا

تو خود فرماندہ "جے پور" نے نسبت کی خواہش کی
اگرچہ آپ بھی وہ صاحب دیہیم و افسر تھا

ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہ اکبر
گئے ابنیر تک جو تخت گاہ ملک و کشور تھا

اُدھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی
اِدھر شہزادے پر چترِ عروسی سایہ گستر تھا

دُلھن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا

دُلھن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جو لائے تھے
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا

یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی
کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کُش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

(شبلی)

میرا دیوان خانہ

ہائے کتنی دلکشی ہے میرے اس دالان میں
لطف کب ہے یہ کسی کے قصرِ عالیشان میں

ہے پُرانی چھت مگر مضبوط ہے اور خوب ہے
ہر کڑی ہر تختہ نظروں کو مری مرغوب ہے

میں چھپاؤں گا نہ چھتگیری سے اس کی خوبیاں
خوب چھتگیری ہے لیکن حُسن وہ اس میں کہاں

اس کی دیواریں ہیں اچھی اس کے در ہیں خوشنما
طاق یہ چھوٹے بڑے سب کس قدر ہیں خوشنما

اس کے سادہ حُسن کو ہرگز مٹاؤں گا نہ میں
اس کی دیواروں پہ تصویریں لگاؤں گا نہ میں

اس کا یہ چھوٹا سا آنگن اس میں چھوٹا سا چمن
دیکھ کر جس کی طرف ہوتا ہے دل میرا مگن

اس میں جو ہے جس طرح ہے اس سے سُکھ پاتا ہوں میں
کوئی تبدیلی اگر ہوتی ہے گھبراتا ہوں میں

مجھ کو دُنیا ہی میں جنت کا پتہ دیتا ہے یہ
سچ یہ ہے میرے خیالوں کو جِلا دیتا ہے یہ

اس کا میں ہمراز ہوں اور یہ مرا ہمراز ہے
یہ مرا ساتھی ہے میرا دوست ہے دمساز ہے

رات بھر پڑھتا ہوں میں اور رات بھر سُنتا ہے یہ
جاگتا ہوں میں تو گویا جاگتا رہتا ہے یہ

جب تڑپ کر چاندنی راتوں میں کچھ گاتا ہوں میں
شوق سے اک سُننے والا پاس ہی پاتا ہوں میں

دخل اس کو کچھ نہ کچھ ہے میری ہر اک بات میں
اس کا حصہ بھی ہے کافی میری تصنیفات میں

یہ سحر کا وقت یہ چڑیوں کا گانا اور میں
ہائے افسر یہ مرا دیوان خانہ اور میں

(حامد اللہ افسر)
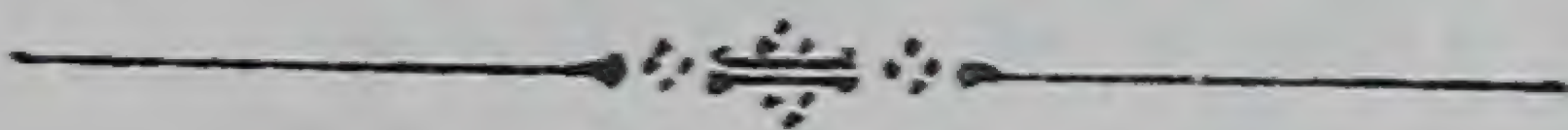
راحتِ پسر

نعمت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی روح یہی رُوح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت آرام کا ساماں ہے اسی سے آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے

کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ ہے وہ عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے یہ ہے وہ نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُر نور مکاں رہتا ہے جس سے وہ دُر ہے کہ قومی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے

کھوتے نہیں یہ مال، زر و مال کے بدلے
موتی بھی لُٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

دنیا میں بس اک مرجع آمال یہی ہے ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے گوہر یہی یاقوت یہی لال یہی ہے

دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوتِ دل راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ لعل ہے اُمید بڑھی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے دُر جان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اُس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اُس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا!
بہہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

(میر انیس)

یارب مرا ویرانہ

کہتا ہوا پھرتا ہے محشر میں یہ دیوانہ
یارب مرا ویرانہ یارب مرا ویرانہ

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوب سا مستانہ
فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

ہو نور سے پُر ساقی ہستی کا سیہ خانہ
کر دیدہ و دل روشن لا شیشہ و پیمانہ

جی میں ہے چڑھا جاؤں میخانہ کا میخانہ
ہاں ساقی دریا دل پیمانہ پہ پیمانہ

اتنی تو پلا ساقی اب اس سے بھی کیا کم ہو
لبریز تو ہو جائے یہ عمر کا پیمانہ

ساقی نے بدل ڈالی دنیا مری ہستی کی
آنکھیں ہیں کہ میخانے دل ہے کہ پریخانہ

دے تاؤ نہ اب اتنا کر آنچ ذرا ہلکی
تیزی پہ ہے مے ساقی اُڑ جائے نہ میخانہ

(مجذوب)

ایک پیرزن محمودؔ کے دربار میں

تنہا ہوں میں یادگار بے محمودؔ غزنوی
اللہ رے وہ زور وہ بل وہ سپہگری

تھا اس کے ڈر سے رعشہ براندام ایشیا
حاصل کسی کو کب تھی جہاں میں یہ سروری

کہتے ہیں اُس کے دور میں اک قافلہ لُٹا
کچھ لوگ قتل بھی ہوئے تھے جو رب جری

اس کارواں میں ایک جواں بھی ہوا شہید
اک بوڑھی ماں کی لٹ گئی کھیتی ہری بھری

محمودؔ کے حضور میں آئی وہ غم نصیب
اور بولی تیرے ملک میں کیسی ہے ابتری

محفوظ جب نہیں ہے رعایا کا جانؔ مال
کس روز کام آئے گی تیری دلاوری

محمودؔ نے کہا "ہے وہ خطّہ یہاں سے دور
کیونکر ہو اتنی دور بھلا عدل گستری"

بولی بہت ادب سے یہ سُن کر وہ پیرزن
"یہ عرض میں کرونگی جو ہو جائے جان بری

قبضہ ہی تو نے دور کے ملکوں پہ کیوں کیا؟
ہی جب کہ تیرے دور کے ملکوں میں ابتری

جو راج تیرے بس میں ہو شاہ ذی وقار
حاصل ہو ایسے راج سے کیا سوچ تو ذری

محمود پر اثر ہوا عورت کی بات کا
بولا کہ "اب نہ ہو گی کہیں یہ ستمگری

اس پیرزن کی جھولی جواہر سے پُر کرو
غزنی کے بادشاہ پہ ہے اس کو برتری

(حامد اللہ افسرؔ)

عدل جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہگیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرت حُسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہونچی یہ خبر
غیظ سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی
جا کے پوچھ آئیں، کہ سچ یا کہ غلط ہی یہ سخن

نخوت حُسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن

ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ "بزن"

اسکی گستاخ نگاہی نے کیا اسکو ہلاک
کشورِ حُسن میں جاری ہی یہی شرع کہن

مفتئِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتئ دیں نے یہ بے خوف و خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ "قاتل کی اُڑا دو گردن"

لوگ اس حکم سے دربار میں تھرّا اُٹھے
پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن

ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن

پھر اسی طرح اوسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

یہ وہی نورجہاں ہو کہ حقیقت میں یہی | تھی جہانگیر کے پردے میں شہنشاہِ زمن
اس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ | جا کے بنجاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب وہ نورجہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور | نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن
اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھرّاتے تھے | جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع | ایک بیکس ہے کہ جس کا کوئی گھر ہے نہ وطن

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام | خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
مفتیٔ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا | بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ وزن
وارثوں کو جو دیے لاکھ درم بیگم نے | سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص | قتل کا حکم جو ٹل جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جب کہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں | کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم | تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن

دفعتہً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ! چہ می کردم من

(شبلی مرحوم)

جلوۂ دربار

سر میں شوق کا سودا دیکھا — دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا — کیا بتائیں کیا کیا دیکھا
نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی — شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی — خیر اب دیکھئے لطف قوافی
جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا — اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا — حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا
پلٹن اور رسالے دیکھے — گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے — بینڈ بجانے والے دیکھے
خیموں کا اک جنگل دیکھا — اُس جنگل میں منگل دیکھا
برمھا اور ورنگل دیکھا — عزت خواہوں کا دنگل دیکھا
سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری — پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری — تیزی تھی ہر جمپ سے جاری
کچھ چہروں پر مردی دیکھی — کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی — محفل میں سارنگی دیکھی

بے رنگی بارنگی دیکھی — دہر کی رنگا رنگی دیکھی
اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا — بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
منھ کو اگرچہ لٹکا دیکھا — دل دربار سے اٹکا دیکھا
ہاتھی دیکھے بھاری بھر کم — اُن کا چلنا کم کم تھم تھم
زرّیں جھولیں نور کا عالم — میلوں تک وہ چم چم چم چم
پُر تھا پہلوئے مسجد جامع — روشنیاں تھیں ہر سو لامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع — سب کے سب تھے دید کے طامع
سُرخی سڑک پہ کُٹتی دیکھی — سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی — لطف کی دولت لٹتی دیکھی
چوکی اک جو لکھی دیکھی — خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی — شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی
ایک کا حصہ من و سلوا — ایک کا حصہ تھوڑا سا حلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا — میرا حصہ دور کا جلوا
اوج برٹش راج کا دیکھا — پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا — رُخ کرزن مہراج کا دیکھا
پہنچے پھاند کے سات سمندر — تحت میں اُنکے بیسیوں بندر
حکمت و دانش اُن کے اندر — اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی اُن کا — چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا — آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں — ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں — سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبشن کی شان انوکھی — ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
اقلیدس کی ناپی جوکھی — من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشن عظیم اس سال ہوا ہے — شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے — قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن — ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن — رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آ کے یکایک — زریں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا اُن کا اوج سما تک — چرخ پہ زہرہ انکی تھی گاہک

گو رقاصہ اوج فلک تھی — اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی — بزم عشرت صبح تلک تھی

کیا ہے بندش ذہن رسا نے — کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ فسانے — جس نے دیکھا ہو وہ جانے

(سید اکبر حسین اکبر)

کلامِ عزیزؔ

(۱)

ہم کو دیدار سے فرصت ہی نہیں — کچھ سوا اس کے عبادت ہی نہیں
دیکھنا ہو تو رُخِ یار کو دیکھ — اس سے بڑھ کر کوئی دولت ہی نہیں
کر دیا اس کی محبّت نے غنی — اب کسی بات کی حسرت ہی نہیں
عشق ایمان ہے اور دین وفا — عاشقوں کی کوئی ملّت ہی نہیں
جب سے عاشق ہوئے غم کھاتے ہیں — آہ وہ دل وہ طبیعت ہی نہیں
اس کی ہر شان قیامت ہے آج — کل جو ہو گی وہ قیامت ہی نہیں
تجھ کو بکنا ہو بکا کر واعظ — ہم کو پروائے ملامت ہی نہیں
ہیں نے دیکھی ہیں وہ آنکھیں ساقی — جامِ مے کی مجھے حاجت ہی نہیں

یار کی شکل کو بس دیکھ عزیزؔ
اور حق کی کوئی صورت ہی نہیں

(عزیزؔ صفی پوری)

(۲)

الفتِ زندگی نہیں جاتی　جان بے عشق دی نہیں جاتی
باندھتے میرے قتل پر لیکن　کمر اُن سے کسی نہیں جاتی
جائے گی اس فراق میں یہ جان　کیا ہوا اگر ابھی نہیں جاتی
ناتواں کردیا جدائی نے　اب مصیبت سہی نہیں جاتی
جان جائے تو آرزو جائے　یہ بلا جیتے جی نہیں جاتی
ہوش جاتے ہیں جب وہ آتے ہیں　دل کی حالت کہی نہیں جاتی
ضعف سے کیا سبک ہے میری بات　گر سناؤں سُنی نہیں جاتی
دل میں ہر وقت کچھ کھٹک سی ہے　آہ چھیڑ آپ کی نہیں جاتی
زندہ کرتی ہے پھر جو مرتا ہوں　یہ محبت کبھی نہیں جاتی

کیا کہوں طرفہ ماجرا ہے عزیزؔ
دل گیا بے خودی نہیں جاتی

(عزیز صفی پوری)

کلام شاد عظیم آبادی

بھول نہ اس کو دھن ہے جادھر کی، چونک مسافر رات نہیں ہے
شکل نمایاں ہو گی سحر کی، چونک مسافر رات نہیں ہے

آنکھیں ملتے صحن چمن میں جھوم کے اُٹھے نیند کے ماتے
دیکھ صبا نے "آکے خبر" کی چونک مسافر رات نہیں ہے

نیلے نیلے رنگ کے اوپر بڑھتی ہی جاتی اب ہے سفیدی
ہو گئی رنگت زرد قمر کی، چونک مسافر رات نہیں ہے

زور نہ طاقت سنگ نہ ساتھی پاؤں سے اپنے اب ہے چلنا
تجھ پہ ہے بھاری راہ سفر کی چونک مسافر رات نہیں ہے

پنکھ پکھیرو خواب سے چونکے سب نے خوشی کے نعرے مارے
آئی صدا مرغان سحر کی، چونک مسافر رات نہیں ہے

کوچ کی ساعت آگئی سر پر شاد اُٹھا لے جھولی بستر
....

۷

یہ رات بھیانک ہجر کی ہے کاٹیں گے بڑے آلام سے ہم
ٹلنے کی نہیں یہ کالی بلا سمجھے ہی ہوئے تھے شام سے ہم

تھا موت کا کھٹکا جاں فرسا، صد شکر کہ نکلا وہ کانٹا
گو ہو نہ قیامت کا دھڑکا، اب ہیں تو بڑے آرام سے ہم

تا منزلِ جاناں ساتھ رہا کمبخت تصور غیروں کا
شوق اپنے قدم کھینچا ہی کیا پلٹا ہی کئے ہر گام سے ہم

باتوں میں گزرتے ہجر کے دن اے کاش کہ دونوں ملجاتے
ہم سے ہے دل ناکام خفا آزردہ دل ناکام سے ہم

یوں ان کے ادب یا خاطر سے ہر بات کو لے لیں اپنے سر
جب دل ہے انھیں کے قابو میں ہیں پاک ہر ایک الزام سے ہم

اے ہم نفسو دم لینے دو وہ بھولے سے نغمے یاد آ لیں
آئے ہیں چمن میں اُڑ کے ابھی چھوٹے ہیں اسی دم دام سے ہم

وہ سمجھے کہ میں نے مار لیا ہم سمجھے ملیں گے آخر وہ
ملتے ہی نگہ کے دونوں خوش آغاز سے وہ انجام سے ہم

دُنیا میں تخلّص کوئی نہ تھا کیا نیل کا ٹیکہ شادؔ ہی تھا
تم وجہ نہ پوچھو پھر اس کی چڑ جاتے ہیں کیوں اس نام سے ہم

(شادؔ)

کلامِ اقبال

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدے بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

ترے سینہ میں دم ہے دل نہیں ہے
ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

نگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ھُو میں

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفس ہندی مقام نغمہ تازی
نگہ آلودۂ اندازِ افرنگ
طبیعت غزنوی قسمت ایازی

رہ و رسمِ حرم نامحرمانہ | کلیسا کی ادا سوداگرانہ
تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک | نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ | فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکیِ عقل و خرد | فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی | ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ
دل اگر اس راہ میں زندہ و بیدار ہو | تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و میخانہ ہیں مدت سے خموش
میں نے پایا ہے اُسے اشکِ سحر گاہی میں
جس دُرِ ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا — تو بھی نمازی میں بھی نمازی
ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں — حرف محبت ترکی نہ تازی
تو زندگی ہے پائندگی ہے — باقی ہے جو کچھ سب خاکبازی

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشت خاک بھی آوارگان راہ میں ہے
تلاش اُس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہان تازہ مری آہ صبحگاہ میں ہے
مرے سبو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک
اگرچہ مغربیوں کا جنوں بھی تھا چالاک

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بیباک
جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

منزلِ راہرواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے
علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کیلئے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولےٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی
آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ — سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دور پیمانہ — فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزم جانانہ
مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ — کہ میں ہوں محرم رازِ درون میخانہ
مقام عقل سے آساں گزر گیا اقبال — مقام شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کے لئے — جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے
رہے گا راوی و نیل و فرات میں کبتک — ترا سفینہ کہ ہے بحر بیکراں کیلئے
ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اُسے — بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کیلئے

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے — خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھکو امیدیں خدا سے نومیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنھیں — خبر نہیں روشِ بندۂ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا — نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن — خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری — وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

حدیثِ دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ — خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ
برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر — یہاں فقط سر شاہیں کیواسطے ہے کلاہ

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی — کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے — جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن — یہ وہ جنت ہے جسمیں حور نہیں
کیا غضب ہے کہ اس زمانہ میں — ایک بھی صاحب سرور نہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مدّنظر — وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین — پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

انتہا بھی اسکی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئینگے غسال کابل سے کفن جاپان سے

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ
دفع مرض کے واسطے پل پیش کیجئے
تھے وہ بھی دن کہ خدمت اُستاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنٹر سب بلّور ہی ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اس دور میں سب مٹ جائینگے ہاں باقی وہ رہ جائیگا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکّا اپنی ہٹ کا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے دستور محبت قائم تھا
یا بحث ہیں اُردو ہندی ہے یا قربانی اور جھٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا"

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الکشن، ممبری، کونسل، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا
کیا خوب امیر فیصل کو سنوسیؒ نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا
تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا
اقبال بڑا اُپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی تو یہ بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(اقبال)

فقیر کی دُعا

۱

تو نے دعائیں مانگیں میرے لئے خدا سے
پھل پائے ہیں سنے کیا کیا بابا تری دعا سے
اے پاکباز بندے
اے بے نیاز بندے
تجھ کو خدا جزا دے

میرے چمن کی رونق یہ خوشنما کلی ہے
تیری دُعا مجسّم آگے ترے کھڑی ہے
یہ بھولی بھولی صورت
پائی تری بدولت
تجھ کو خدا جزا دے

رگ رگ میں تھا یہ میری روزِ ازل سے یعنی
یوں مجھ میں چھپ رہا تھا لفظوں میں جیسے معنی

تیری دُعا بر آئی

میں نے مراد پائی

تجھ کو خدا جزا دے

تیری دعائیں لے کر آئی ہوں تیرے در پر

میں اپنے گھر کی دولت لائی ہوں تیرے در پر

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

اب اس کو کچھ دعا دے تجھ کو خدا جزا دے

۲

کر شکر حق کا بیٹی! جس نے یہ دی ہے نعمت

اس پر خدا کا سایہ اس پر خدا کی رحمت

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اسے خدا دے

آجائے اس کلی سے سارے چمن میں رونق

ہو اس کے دم قدم سے پیارے وطن میں رونق

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اسے خدا دے

دنیا کی تیرگی میں یہ نور بن کے چمکے

دنیا سے دور کر دے آثار رنج و غم کے

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اسے خدا دے

دنیا سے دکھ مٹائے ہر درد کی دوا ہو

مایوس کا سہارا بیکس کا آسرا ہو

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

دنیا اسے دعا دے سب کچھ اسے خدا دے

(حامد اللہ افسر)
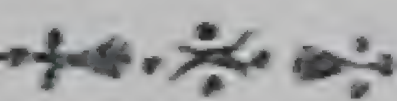
کورا برتن

کورے برتن ہیں کیاری گلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی ان میں جب کھنکی کیا وہ پیاری صدا ہے سَن سَن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات قطرہ قطرہ ہے جس کا آب حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا بات پھر تو آب حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے وہی آنہ کے مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے کیا کہوں گولی گولی گولی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندھیں دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا اس کا جوبن کچھ اور ہی چمکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا پہ دیکھ کر لوٹا دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رِستے ہیں آب کے نم میں جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجّر ہے جن کی جاگیر ملک جھجّر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے تاش کمخواب یا مشجّر ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں   اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں   وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ ان کو گڑھتے ہیں   بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں   حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیرؔ جوبن ہے   جو جرے ہیں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے   وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

(نظیرؔ)

بربادیٔ خانماں
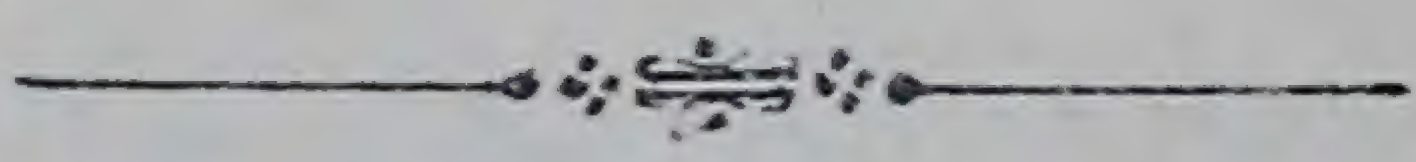
وہ برادر کہ مرا یوسف کنعانی تھا! — وہ کہ مجموعۂ ہر خوبیٔ انسانی تھا
وہ کہ گھر بھر کیلئے رحمت یزدانی تھا — قوتِ دست و دلِ شبلی نعمانی تھا
جوش اُسی کا تھا جو میرے سرِ پُرشور میں تھا — بل اسی کا یہ مرے خامۂ پُرزور میں تھا
ہمسے بیکاروں کی اک قوتِ عامل تھا وہی — مایۂ عزتِ اجداد کا حامل تھا وہی
مسندِ والد مرحوم کے قابل تھا وہی — یوں تو سب اور بھی اعضا میں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں — ہائے افسوس میں اسحاق کہاں سے لاؤں

جب گیا والد مرحوم نے دنیا سے سفر — گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت میں سپر — تیر جو آئے گیا آپ وہ ان کی زد پر
خود گرفتار رہا تاکہ میں آزاد رہوں — اسنے غم اس لئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں
اسکا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بےغم — گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج والم
امن و راحت کے جو ساماں تھے ہر طرح بہم — میں تھا اور مشغلۂ نامہ و قرطاس و قلم
اسکے صدقے سے تھی میری سخن آرائی بھی — اس کا ممنوں تھا مرا گوشۂ تنہائی بھی
تازہ تھا دل پہ مرے عہدیِ مرحوم کا داغ — کہ مرا قوتِ بازو تھا مرا چشم و چراغ
اسکو جنت میں جو خالق نے دیا کنج فراغ — بس یہ کہتا تھا کہ اب بھی تر و تازہ ہو یہ باغ

یعنی وہ آئینۂ خوبی و اخلاق تو ہے! اُٹھ گیا نہدی مرحوم جو اسحٰق تو ہے

آج افسوس کہ وہ نیّرِ تاباں بھی گیا میری جمعیتِ خاطر کا وہ ساماں بھی گیا

اب وہ شیرازۂ اوراقِ پریشاں بھی گیا عُتبۂ والدِ مرحوم کا درباں بھی گیا

گلۂ خوبیٔ تقدیر رہا جاتا ہے نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے

تجھ کو اے خاکِ لحد آج اجل نے سونپی وہ امانت جو مرے والدِ مرحوم کی تھی

بسکہ فطرت میں ودیعت تھی نفاست طلبی ناز پروردۂ نعمت تھا بہ ایں سادہ وشی

دیکھنا اُڑ کے غبار آئے نہ دامن پہ کہیں گرد پڑ جائے نہ اس عارضِ روشن پہ کہیں

اس کے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار وہ شکر ریز تبسّم وہ متانت وہ قرار

وہ وفا کیشیِ احباب وہ مردانہ شعار وہ دل آویز سی خو، وہ نگہ اُلفتِ یار

صحبت رنج بھی اک لُطف سے کٹ جاتی تھی اسکی ابرو پہ شکن آ کے پلٹ جاتی تھی

حق نے کی تھی کرم و لطف سے اسکی تخمیر خوبی خلق و تواضع میں نہ تھا اس کا نظیر

بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر اس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصافِ کثیر

بسکہ خوش طبع تھا وہ صاحبِ تدبیر بھی تھا سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا

اسکو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا وہ گرفتار کمندِ ہوسِ خام نہ تھا

اسکی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام نہ تھا وہ کبھی مدعیِ رہبریِ عام نہ تھا

اسکو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی اسکی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اسکو معلوم جو تھا وسعتِ تعلیم کا راز اس سے تھے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز

اس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز — مگر افسوس کہ تھا راہ میں خرشِ تگ و تاز

کوششوں کے جو نتیجے تھے اسے مل نہ سکے — ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے مگر کھل نہ سکے

آہ بھائی ترے مرنے کے تھے یہ بھی کوئی دن — وہ ترا اوج شباب اور وہ بچے کمسن

مسند حلقۂ احباب ہے سونی تجھ بن — تو ہی تھا اب خلفِ صدر نشینانِ سخن

دن جب آئے کہ تجھے رہبر جمہور کہوں — چرخ اب مجھ سے یہ کہتا ہے کہ مغفور کہوں

یہ بھی اے جان برادر کوئی جانے کا ہے طور — اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور

ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور — کیا ہوا تجھ کو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور

چھوڑ کر بچوں کو بے صبر و سکوں جاتا ہے — کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں جاتا ہے

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھ کو تمیز — تیری نظروں میں برابر ہے گہر اور پشیز

میں نے مانا ترے نزدیک تھا وہ کوئی چیز — رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اس نے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں — اسکے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلیِ دل خستہ باایں موئے سفید — لیکے آیا ہے تری درگہ عالی میں اُمید

مرنیوالے کو نجات ابدی کی ہو نوید — خوش و خرم رہے چھوٹا یہ مرا بھائی جنید

کیا لکھوں قصۂ غم تاب رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پُر زور میں دم بھی تو نہیں

(شبلی)

تمام شد